خلیفۂ راشد حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے مفصل سوانح زندگی
اور اُن کے عہد حکومت کے مجددانہ کارناموں پر مستند کتاب

سیرت عمر بن عبد العزیزؓ

از مولانا عبد السلام ندوی رح

دار الاشاعت کراچی
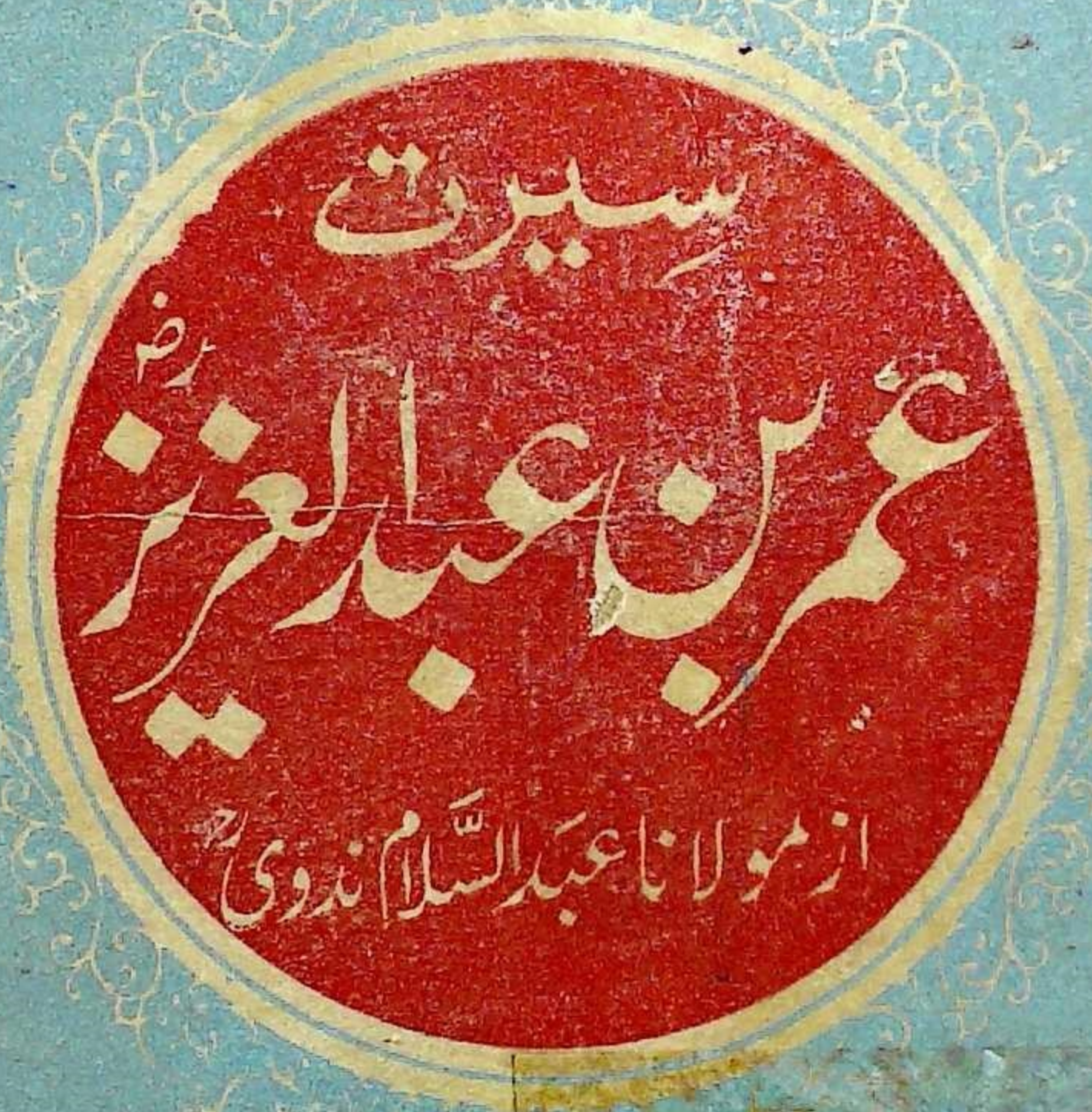
ختم نبوت ﷺ زندہ باد   عظمت صحابہ زندہ باد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

معزز ممبران: آپ کا وٹس ایپ گروپ ایڈ من "**اردو بکس**" آپ سے مخاطب ہے۔

آپ تمام ممبران سے گزارش ہے کہ:

- گروپ میں صرف PDF کتب پوسٹ کی جاتی ہیں لہذا کتب کے متعلق اپنے کمنٹس / ریویوز ضرور دیں۔ گروپ میں بغیر ایڈ من کی اجازت کے کسی بھی قسم کی (اسلامی وغیر اسلامی، اخلاقی، تحریری) پوسٹ کرنا سختی سے منع ہے۔
- گروپ میں معزز، پڑھے لکھے، سلجھے ہوئے ممبرز موجود ہیں اخلاقیات کی پابندی کریں اور گروپ رولز کو فالو کریں بصورت دیگر معزز ممبرز کی بہتری کی خاطر ریمو کر دیا جائے گا۔
- کوئی بھی ممبر کسی بھی ممبر کو انباکس میں میسیج، مس کال، کال نہیں کرے گا۔ رپورٹ پر فوری ریمو کر کے کاروائی عمل میں لائے جائے گی۔
- ہمارے کسی بھی گروپ میں سیاسی و فرقہ واریت کی بحث کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔
- اگر کسی کو بھی گروپ کے متعلق کسی قسم کی شکایت یا تجویز کی صورت میں ایڈ من سے رابطہ کیجئے۔
- سب سے اہم بات:

گروپ میں کسی بھی قادیانی، مرزائی، احمدی، گستاخِ رسول، گستاخِ امہات المؤمنین، گستاخِ صحابہ و خلفائے راشدین حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت حسنین کریمین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین، گستاخ اہلبیت یا ایسے غیر مسلم جو اسلام اور پاکستان کے خلاف پراپیگنڈا میں مصروف ہیں یا ان کے روحانی و ذہنی سپورٹرز کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے لہذا ایسے اشخاص بالکل بھی گروپ جوائن کرنے کی زحمت نہ کریں۔ معلوم ہونے پر فوراً ریمو کر دیا جائے گا۔

- تمام کتب انٹرنیٹ سے تلاش / ڈاؤنلوڈ کر کے **فری آف کاسٹ** وٹس ایپ گروپ میں شیئر کی جاتی ہیں۔ جو کتاب نہیں ملتی اس کے لئے معذرت کر لی جاتی ہے۔ جس میں محنت بھی صَرف ہوتی ہے لیکن ہمیں آپ سے صرف دعاؤں کی درخواست ہے۔
- عمران سیریز کے شوقین کیلئے علیحدہ سے عمران سیریز گروپ موجود ہے۔
- **لیڈیز کے لئے الگ گروپ کی سہولت موجود ہے جس کے لئے ویریفکیشن ضروری ہے۔**
- اردو کتب / عمران سیریز یا سٹڈی گروپ میں ایڈ ہونے کے لئے ایڈ من سے وٹس ایپ پر بذریعہ میسیج رابطہ کریں اور جواب کا انتظار فرمائیں۔ برائے مہربانی اخلاقیات کا خیال رکھتے ہوئے موبائل پر کال یا ایم ایس کرنے کی کوشش ہر گز نہ کریں۔ ورنہ گروپس سے تو ریمو کیا ہی جائے گا بلاک بھی کیا جائے گا۔

نوٹ: ہمارے کسی گروپ کی کوئی فیس نہیں ہے۔ سب فی سبیل اللہ ہے

0306-7163117	0343-7008883	0333-8033313
محمد سلمان سلیم	پاکستان زندہ باد	راؤ ایاز

پاکستان زندہ باد   پاکستان پائندہ باد

اللہ تبارک تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو

۶۸۶

سیرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ

خلیفۂ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے
مفصل سوانح زندگی اور اُن کے عہدِ حکومت
کے مجددانہ کارناموں پر مستند کتاب

مؤلفہ

مولانا عبد السّلام ندوی

ناشر

دار الاشاعت
مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی ۱

اشاعت دسمبر ۱۹۷۳ء

باہتمام محمد رضی عثمانی

قیمت: ۱۲/-

ملنے کے پتے

دار الاشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی ۱

ادارۃ المعارف ڈاکخانہ دار العلوم کراچی ۱۴

ادارہ اسلامیات نمبر ۱۹۰ انارکلی لاہور

عرضِ ناشر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

سیرت عمر بن عبد العزیز رحؒ کا یہ چوتھا ایڈیشن ہے، اور پہلے ایڈیشنوں سے کسی قدر مختلف اور ممتاز ہے، ہم نے اس کتاب کے دیباچہ میں اس کے ماخذ کے جو نام بتائے تھے اُن کے متعلق لکھا تھا کہ محدثین نے حضرت عمر بن عبد العزیز رحؒ کے فضائل و مناقب میں متعدد کتابیں لکھیں، جن میں محدث ابن عبد الحکم اور عبد الملک بن حبیب بن سلیمان کی کتابیں ناپید ہیں، لیکن خوش قسمتی سے اس کی طباعت اور اشاعت کے بعد محدث ابن عبد الحکم کی کتاب بھی چھپ کر شائع ہو گئی اور اس کے مطالعہ کے بعد معلوم ہوا کہ اگر اس کتاب کی تصنیف کے وقت وہ بھی موجود ہوتی تو اس میں اور بھی بہت سی مفید معلومات کا اضافہ ہو جاتا، اس بنا پر جب اس کتاب کے طبع سوم کے وقت اس پر نظر ثانی

کی گئی تو یہ خیال تازہ ہو گیا اور محدث ابن عبد الحکم کی کتاب سے معلومات حاصل کر کے مختلف موقعوں پر اُن کا اضافہ کیا گیا، اس لئے اب یہ ایڈیشن پہلے اور دوسرے اور تیسرے ایڈیشنوں سے زیادہ جامع اور مکمل ہو گیا ہے، اور اس میں بہت سی ایسی مفید باتوں کا اضافہ کر دیا گیا ہے جن سے پہلے کے ممتاز ایڈیشن خالی تھے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ

فہرست مضامین

سیرت عمر بن عبد العزیزؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً ومصلیاً ومسلماً

تمہید طبع اوّل

دنیا میں جن لوگوں نے انقلابات پیدا کئے ہیں اُن کا روشن تریں کارنامہ صرف یہ خیال کیا جاتا ہے کہ انھوں نے دنیا کی ترقی کا ایک قدم اور آگے بڑھا دیا ہے یہی وجہ ہے کہ جب ہم فرماں روایانِ اسلام کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو اُن کے پُرعظمت کارناموں میں ہماری نگاہ صرف اس پر پڑتی ہے کہ اُن کے عہد سے پہلے دنیا کا قدم کس نقطہ پر تھا، اور انھوں نے اس کو کس مرکز پر پہنچا دیا۔

چنانچہ مولانا شبلی مرحوم نے رائل ہیروز آف اسلام کا سلسلہ شروع کیا تو اسی خصوصیت کو پیش نظر رکھ کر انھوں نے مختلف سلسلے کے حسبِ ذیل فرمانرواؤں کا انتخاب کیا۔

خلفائے راشدین	حضرت عمر رضی اللہ عنہ
بنوامیہ	ولید بن عبد الملک
عباسیہ	مامون الرشید
بنوامیہ اندلس	عبد الرحمٰن ناصر
بنو حمدان	سیف الدولہ
سلجوقیہ	ملک شاہ
نوریہ	نورالدین محمود زنگی

ایوبیہ	سلطان صلاح الدین فاتح بیت المقدس
موحدین اندلس	یعقوب بن یوسف
ترکان روم	سلیمان اعظم

لیکن اس باب میں اسلام کی تاریخ تمام دنیا کی تاریخوں سے مختلف ہے، اسلام کا روشن ترین زمانہ صرف وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے شروع ہوا اور خلافتِ راشدہ تک پہنچ کر ختم ہوگیا، اس لئے خلفائے اسلام کا قابل فخر کارنامہ یہ نہیں ہے کہ انھوں نے دنیا کو اس نقطۂ نورانی سے آگے بڑھایا، بلکہ ان کا حقیقی شرف یہ ہے کہ انھوں نے زمانہ کو اس قدر پیچھے ہٹایا کہ وہ عہدِ صحابہؓ سے جاکر مل گیا۔

خلافتِ راشدہ کے بعد بنوامیہ کا دورِ حکومت شروع ہوا جس میں بڑے بڑے فرماں روا گذرے، عبدالملک نے ۲۱ سال تک حکومت کی اور اس سلطنت کی بنیاد کو مستحکم کردیا، ولید نے اس کثرت سے فتوحات کیں اور اس کثرت سے عمارتیں تعمیر کرائیں کہ تمام دنیا اسلامی تمدن کا تماشاگاہ بن گئی۔

لیکن ان میں صرف عمر بن عبدالعزیزؒ ایک ایسے شخص ہیں جنھوں نے زمانہ کی باگ پھیر کر اس کو عہدِ صحابہؓ سے ملادیا، اس لئے محدثین نے ان کو مجددانِ اسلام میں شمار کیا ہے اور ان کے فضائل ومناقب میں کتابیں لکھی ہیں، محدث ابن جوزی نے اُن کے حالات میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے، جس کا نام سیرت عمر بن عبدالعزیز ہے، ابن سعد نے طبقات میں ان کا مفصل تذکرہ کیا ہے، عبداللہ ابن حکم نے جو مصر کے سب سے بڑے محدث اور امام شافعیؒ کے دوست ہیں۔ اُن کے فضائل میں ایک کتاب تصنیف کی ہے[1] اور عبدالملک بن حبیب بن سلیمان نے ایک کتاب میں اُن کے فضائل جمع کئے ہیں[2]۔

[1] الدیباج المذہب فی معرفۃ اعیان علماء المذہب صفحہ ۱۳۴ [2] ایضاً صفحہ ۱۵۵

اُن کے علاوہ اسلام کی جو سیاسی تاریخیں لکھی گئیں، ان میں بھی اُن کے دورِ حکومت کی اس خصوصیت کو خاص طور پر نمایاں کیا ہے، اور اسی بنا پر ہم نے ولید کو چھوڑ کر ان کو اس خاندان کا ہیرو قرار دیا ہے۔

محدثین نے ان کے حالات میں جو کتابیں لکھی تھیں، ان میں ابن عبدالحکم اور عبدالملک کی کتابیں ناپید ہیں البتہ محدث ابن جوزی کی کتاب کو یورپ اور مصر دونوں نے چھاپ کر شائع کردیا ہے اور طبقات ابن سعد کی تمام جلدیں بھی ہمارے سامنے آگئی ہیں، لیکن اردو میں جن لوگوں نے اُن کے حالات لکھے ہیں، انھوں نے صرف سیاسی تاریخوں کو پیشِ نظر رکھا ہے اور ان دونوں کتابوں سے مطلق فائدہ نہیں اُٹھایا ہے، حالانکہ ان کے اخلاق وعادات، فضائل ومناقب اور مجددانہ کارناموں کا اصلی ذخیرہ انہی کتابوں میں مل سکتا ہے، اس لئے ہم نے اور کتابوں کے ساتھ ان دونوں کتابوں کو خصوصیت کے ساتھ اپنی تصنیف کا ماخذ قرار دیا ہے۔

ہماری زبان میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کی متعدد سوانح عمریاں لکھی گئی ہیں لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان مرقعوں میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی تصویر کے اصلی خط وخال نمایاں نہیں ہوسکتے، اس لئے ان کے شایانِ شان ایک دوسری تصنیف کی ضرورت تھی، اور اسی ضرورت نے مجھ کو اس کتاب کے لکھنے پر مجبور کیا۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ

عبدالسلام ندوی
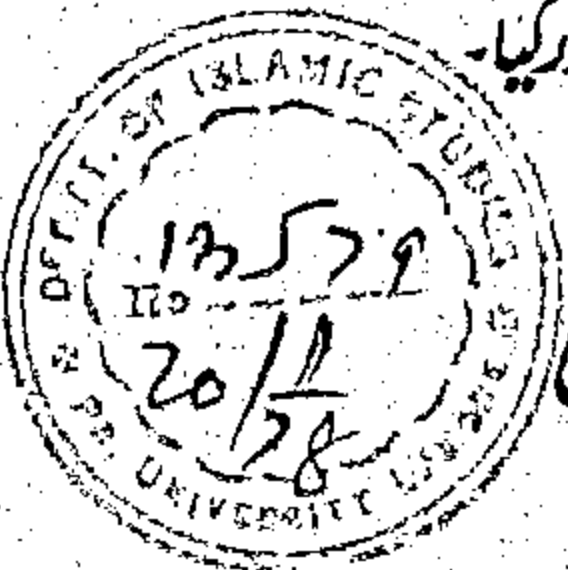
دیباچہ

خلافتِ بنو امیہ

اسلام سے پہلے تمام عرب کی طاقت کا مرکز قریش کا قبیلہ تھا، لیکن قریش کے بھی مختلف ٹکڑے ہو گئے تھے جن میں بنو ہاشم اور بنو امیہ سب میں ممتاز تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے اگرچہ بنو ہاشم علانیہ اپنے حریف بنو امیہ سے ممتاز ہو گئے لیکن زمانہ جاہلیت میں جمعیت اور ملکی اقتدار کے لحاظ سے بنو امیہ کا پلہ بھاری تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب خلافت کا سوال ہوا تو دعویٰ خلافت میں صرف بنو ہاشم نے حصہ لیا، بنو امیہ اس سے بالکل الگ رہے، حضرت عمرؓ کے بعد اگرچہ حضرت عثمانؓ جو اموی تھے، خلیفہ مقرر ہو گئے، لیکن یہ خود خاندانِ بنو امیہ کی ذاتی کوششوں کا نتیجہ نہ تھا۔ بلکہ خود حضرت عمرؓ نے جن چھ اشخاص کو خلافت کے لئے انتخاب کیا تھا اُن میں وہ بھی داخل تھے اور جب اس نزاع کے طے کرنے کے لئے حضرت عبد الرحمٰن ابن عوفؓ ثالث مقرر ہوئے تو انھوں نے حضرت عثمانؓ ہی کا انتخاب کیا، اور اس فیصلہ پر خود حضرت علیؓ بھی راضی ہو گئے۔

خاندانِ بنو امیہ میں حضرت امیر معاویہؓ پہلے شخص ہیں جنھوں نے خود اپنی قوتِ بازو

سے شام میں مستقل حکومت قائم کی، اور اخیر میں اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین بنایا اور تمام عرب سے اس کے ہاتھ پر بیعت لی، اس لئے خاندانِ بنو امیہ کی سیاسی تاریخ درحقیقت امیر معاویہ کے عہد سے شروع ہوتی ہے، لیکن حضرت امیر معاویہؓ نے جو حکومت قائم کی تھی، اُس نے بہت کم عمر پائی، یزید اُن کا جانشین ہوا تھا، لیکن اس کی وفات کے بعد ہی حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ نے مستقل طور پر دعویٰ خلافت کیا، اور شام و مصر کے سوا تمام دنیائے اسلام اُن کے قبضۂ اقتدار میں آگئی، شام و مصر کے لوگوں نے معاویہ بن یزید کے ہاتھ پر بیعت کی تھی لیکن چند ہی دنوں کے بعد معاویہ کا انتقال ہو گیا اور اُس نے اپنی نیک نفسی سے کسی کو اپنا جانشین نہیں بنایا، اب یہ دونوں ملک بھی گویا حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کے حلقۂ اطاعت میں داخل ہو گئے، اور بنو امیہ کا نام گویا صفحہ ہستی سے مٹ گیا کہ دفعۃً بنو امیہ کی سیاسی تاریخ کا دوسرا دور شروع ہوا جو پہلے سے زیادہ پُرعظمت، زیادہ وسیع اور زیادہ شاندار تھا، یعنی حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ ہی کے زمانہ میں خاندانِ بنو امیہ میں سے مروانی خاندان نے خلافت کے لئے دوبارہ کوشش کی اور مروان بن حکم نے بغاوت کر کے شام و مصر پر قبضہ کر لیا، لیکن اُس نے اس قدر کم زمانہ پایا کہ اس کے عہد میں اس خاندان کو سیاسی استقلال حاصل نہ ہو سکا، مروان کے بعد اس کے بیٹے عبد الملک نے مروانی حکومت کا اصلی ڈھانچہ قائم کیا اور مستقل ۲۱ برس تک سلطنت کی جس میں سات آٹھ سال اگرچہ حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کے ساتھ خانہ جنگی میں صرف ہوئے لیکن تیرہ چودہ سال تک اُس نے نہایت اطمینان کے ساتھ تمام دنیائے اسلام پر تنہا حکومت کی۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ جن کے حالات ہم لکھ رہے ہیں، اسی عبد الملک کے بھتیجے تھے، اگرچہ اُن کے زمانہ تک خلافت کی جو ترتیب چلی آ رہی تھی اس کے لحاظ سے وہ

اس کے مستحق نہ تھے، تاہم انھوں نے اپنے طرزِ عمل سے اپنا استحقاق قائم کر لیا۔

مروج الذہب مسعودی میں ہے:۔

اخذ عمر بن عبد العزیز الخلافۃ	حضرت عمر بن عبد العزیزؒ بغیر استحقاق کے
بغیر حقہا ولا باستحقاق ثم	خلیفہ مقرر ہوئے، لیکن خلیفہ ہونے کے
استحقہا بالعدل حین اخذہا	بعد عدل و انصاف کی بنا پر اسکے مستحق ہو گئے

تاریخِ اسلام میں اُن کا دورِ حکومت اس لحاظ سے خاص طور پر ممتاز ہے کہ انھوں نے خلافتِ راشدہ کے نظم و نسق کو دوبارہ قائم کیا، اور اُن کے عہد میں تمام دنیا کو ایک بار پھر عہدِ صحابہؓ کی خصوصیات نظر آ گئیں، چنانچہ علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں:۔

وتوسطھم عمر بن عبد العزیز	حضرت عمر بن عبد العزیز مروانی سلسلہ کی درمیانی
فنزع الی طریقۃ الخلفاء	کڑی تھے انھوں نے اپنی تمام تر توجہ خلفاء راشدین
الاربعۃ والصحابۃ جھدہ ۔	اور صحابہؓ کے طریقہ کی طرف مبذول کی۔

بنو امیہ کا رقبۂ حکومت حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے جس ملک پر حکومت کی وہ حدود کے لحاظ سے نہایت وسیع ملک تھا، اس لئے انھوں نے جس کشادہ دلی کے ساتھ ملک کو ہر قسم کی خیر و برکت سے لبریز کرنا چاہا اسی وسعت کے ساتھ اُن کے اثر کو پھیلنے کا موقع ملا۔

تاریخِ اسلام میں بنو امیہ اور عباسیہ باہم حریف و مقابل ہیں لیکن بنو امیہ کو نہ صرف عباسیہ پر بلکہ تمام فرماں روایانِ اسلام پر یہ فضیلت حاصل ہے کہ انھوں نے اسلامی حدودِ حکومت کو اپنے زورِ بازو سے اس قدر وسیع کر دیا کہ تاریخ میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی خلفائے راشدینؓ کے زمانہ تک صرف عرب، شام، مصر اور ایران اسلام کے حدودِ حکومت میں داخل تھے لیکن خلفائے بنو امیہ نے اپنے دورِ حکومت میں اس نقطہ کو دائرہ اور اس

حباب کو دریا بنا دیا، انھوں نے ایک طرف تو افریقہ اور مغرب کے تمام شہروں کو فتح کر کے اندلس کو اسلامی یادگاروں کا سب سے بڑا مرکز بنا دیا، دوسری طرف مشرق میں سندھ کابل اور فرغانہ کو فتح کر کے سرزمینِ چین میں اپنا جھنڈا نصب کیا، روم کی طرف بڑھے تو قسطنطنیہ کی چہار دیواری تک پہنچ کر دم لیا، جزائر میں قبرص، اقریطش (کریٹ) اور روڈس وغیرہ کو فتح کیا، غرض مشرق، مغرب، جنوب، شمال، عرب، عجم، ترک و تاتار، چینی اور ہندی تمام قوموں نے ان کے آگے سر جھکایا اور تمام ممالک ان کے زیرِ نگیں ہو گئے۔

حکومت بنو امیہ کا رقبہ اندلس کے آخری گوشوں سے لے کر سندھ تک پہنچتا تھا اور اُدھر بلادِ روم سے شروع ہو کر چین کی دیواروں تک ختم ہوتا تھا، اور اس طرح گویا اس وقت دمشق کا پایۂ خلافت افریقہ اور ایشیا کے براعظم کا مرکز تھا، تفصیل نقشہ سے معلوم ہو گی، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اگرچہ فاتحانہ حیثیت سے اس رقبۂ حکومت کو وسیع نہیں کیا تاہم اس کو عدل و انصاف سے معمور کر دیا، اور یہی ایک فرماں روا کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً

نسب اور خاندان

ابوحفص کنیت اور عمر نام تھا، باپ کا نام عبدالعزیز اور ماں کا نام اُمِ عاصم ہے پورا سلسلۂ نسب یہ ہے۔ عمر بن عبدالعزیز بن مروان بن الحکم بن العاص بن امیہ بن عبد الشمس۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے والد خاندان بنو امیہ میں ایک ممتاز اور خوش قسمت بزرگ تھے، خود اُن کا بیان ہے کہ "میں مصر میں مسلمہ بن مخلد کی گورنری کے زمانہ میں گیا، تو وہاں میرے دل میں چند تمنائیں پیدا ہوئیں اور وہ سب کی سب پوری ہوئیں، میری آرزو تھی کہ میں مصر کا گورنر ہوتا، میری خواہش تھی کہ میں مسلمہ کی دونوں بیویوں کو اپنے حبالۂ نکاح میں لاتا، میری تمنا تھی کہ قیس بن کلیب میرا حاجب ہوتا، چنانچہ خدا نے ان کی یہ تمام امیدیں پوری کیں، مسلمہ کی دونوں بیبیاں اُن کے نکاح میں آئیں، قیس بن کلیب اُن کا حاجب مقرر ہوا، اور پورے ۲۰ سال ۱۰ مہینے ۱۲ دن تک متصل مصر کی گورنری کی مورخین کا بیان ہے کہ اسلام کی تاریخ میں کسی گورنر کا دورِ حکومت اس قدر ممتد نہیں ہوا۔

اُن کی گورنری کا زمانہ رجب ۵۶ھ سے شروع ہوا جس کی ابتدا اس طرح ہوئی

کہ عبدالرحمٰن بن حجدم جو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی طرف سے مصر کا گورنر کا تھا، مصر کے اُن تمام خوارج کو جو مکہ میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے معین و مددگار تھے، جمع کر کے تحکیم کا دعویٰ کیا، اور علی الرغم حامیانِ بنی امیہ لوگوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی، اس کے بعد ذوقعدہ ۶۴ھ میں عبدالعزیز کے باپ مروان بن حکم نے تمام لوگوں سے اپنے ہاتھ پر بیعت لی، مصر کے لوگ اگرچہ بظاہر ابن حجدم کے طرفدار تھے، لیکن درپردہ ان کا میلان مروان کی طرف تھا، اس لئے انھوں نے اس کو مصر میں بلایا، مروان اکابر و اعیان کی ایک جماعت کثیر کے ساتھ مصر کی طرف روانہ ہوا، اور اپنے بیٹے عبدالعزیز کو ایک فوج کے ساتھ ایلہ کی طرف روانہ کیا، ابن حجدم نے بڑے ساز و سامان کے ساتھ مقابلہ کی تیاری کی، اکدر بن حمام اللخمی کی قیامت میں چند جنگی جہاز روانہ کئے کہ بحری راستہ سے شام کا رخ کرے، بری جنگ کے لئے دو فوجیں بھیجیں، جن میں ایک کا مقصد یہ تھا کہ عبدالعزیز کو ایلہ میں داخل نہ ہونے دے، اس فوج کا سپہ سالار زبیر بن قیس تھا کہ اُس نے مقامِ بصاق میں پہنچ کر عبدالعزیز کا مقابلہ کیا، اور شکست کھائی، خود ابن حجدم نے مقامِ عین شمس میں مروان کا مقابلہ کیا، اور تقریباً دو دو دن تک معرکہ کی لڑائی ہوئی جس میں فریقین کے بہت سے لوگ کام آئے، بالآخر متعدد بااثر اشخاص نے بیچ میں پڑ کر مروان اور ابن حجدم میں مصالحت کرادی، اور مصالحت کے بعد مروان جمادی الاولیٰ ۶۵ھ میں داخلِ مصر ہوا، اور دار فلفل میں اترا جو آج مسجد جامع کے سامنے واقع ہے لیکن اس کی بلند ہمتی نے اس کو گوارا نہیں کیا، اس لئے اس نے کہا کہ خلیفہ ایسے شہر میں قیام نہیں کرسکتا جس میں کوئی محل نہ ہو، چنانچہ اس کے حکم سے قصر بیضا تعمیر ہوا، اس نے لوگوں کے عطیے مقرر کئے اور قبیلۂ معافر کے سوا تمام اہلِ مصر نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی، مروان

نے مصر میں کل دو مہینے قیام کیا، اور رجب ۶۵ھ میں اپنے بیٹے عبدالعزیز کو وہاں کا گورنر مقرر کر کے واپس آیا، رخصت کے وقت عبدالعزیزؒ نے معذرت کی کہ "اے امیر المؤمنین! میں ایک ایسے شہر میں جس میں میرا کوئی بھائی بند نہیں ہے کیونکر قیام کر سکوں گا؟" مروان نے کہا "جانِ پدر عام طور پر احسان کرو سب تمہارے بھائی ہو جائیں گے، سب سے کشادہ رُوئی کے ساتھ ملو سب تمہارے دوست بن جائیں گے، تمام روسا کو یقین دلاؤ کہ وہ تمہارے خواص ہیں تو وہ تمہارے حامی بن جائیں گے، اور اُن کی تمام قوم تمہاری اطاعت کرنے لگے گی، میں تمہارے بھائی بشر کو تمہارا ہمدم اور موسیٰ ابن نصیر کو تمہارا وزیر اور مشیر مقرر کرتا ہوں، اس کے ساتھ اور بھی بہت سی اخلاقی نصیحتیں کر کے اس سے رخصت ہوا اور واپسی کے بعد صرف دو مہینہ تک زندہ رہا، یعنی رمضان ۶۵ھ میں انتقال کر گیا۔

مروان کے بعد اس کا بیٹا عبدالملک خلیفہ ہوا، اور اس نے بھی عبدالعزیز کو اس عہدے پر قائم رکھا، عبدالعزیزؒ نے اپنے زمانۂ گورنری میں بہت سے قابلِ یادگار کام کئے ۶۵ھ میں ایک زرنگار محل بنوایا، ۷۰ھ میں مصر میں طاعون آیا تو اس نے وہاں سے نکل کر حلوان میں مستقل سکونت اختیار کر لی اور وہاں متعدد محل اور مسجدیں تعمیر کروائیں اور انگور و خرما کے متعدد باغ لگوائے، ۷۷ھ میں مصر کی مسجد جامع کو منہدم کرا کے از سرِ نو تعمیر کروایا اور چاروں طرف اس میں اضافہ کیا، ۶۹ھ میں خلیجِ مصر پر دو پل بندھوائے اور اس پر اپنا نام کندہ کرایا۔[1]

مذہبی حیثیت سے تعریف کی ایجاد کی، یعنی عرفہ کے دن عصر کے بعد مسجد میں بیٹھنے کا طریقہ قائم کیا۔

۱ حسن المحاضرہ جلد دوم ص ۲۰۴

غلمان کے حقوق و احترام کو نہایت فیاضی کے ساتھ قائم رکھا، عبدالرحمٰن بن حجیرہ خولانی قاضی مصر کا ہزار دینار سالانہ وظیفہ مقرر کیا، اور ابوالخیر مرثد بن عبداللہ الیزنی کو خود اپنے یہاں بلاتا تھا، اور اُن سے فتویٰ لیتا تھا۔[1]

شعراء کے ساتھ اس قدر فیاضانہ سلوک کیا کہ ایک بار کسی نے کثیر سے پوچھا کہ اب تم شعر کیوں نہیں کہتے؟ بولا عبدالعزیز کی وفات کے بعد صلہ کی کس سے توقع ہو سکتی ہے۔[2]

عام فیاضی کا یہ حال تھا کہ روزانہ ہزار طبق خود اس کے مکان کے گرد چنے جاتے تھے اور سَو طبق میں عموماً اہلِ مصر کو کھانا تقسیم ہوتا تھا، چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے ؎

کل یوم کانہ یوم اضحیٰ — عند عبد العزیز ویوم فطر

ہر دن عبدالعزیز کے یہاں — عید یا بقرعید کا دن ہوتا ہے

ولہ الف جفنۃ مترعات — کل یوم تمدہا الف قدر

اُن کے یہاں ہزار چھلکتے ہوئے پیالے ہیں — جن کو ہزار دیگچیاں لبریز کرتی ہیں

عبدالعزیزؒ نے ۸۶ھ میں ۱۳ جمادی الاولیٰ یوم دوشنبہ کو حلوان میں انتقال کیا اور لاش فسطاط میں لا کر دفن کی گئی، مرتے وقت یہ الفاظ زبان پر تھے، "کاش میں کوئی قابلِ ذکر چیز نہ ہوتا، کاش میں ایک تنکا یا حجازہ کا ایک چرواہا ہوتا" متعدد شعراء نے پُر درد مرثیے لکھے، جن کو کندی نے اپنی کتاب ولاۃ مصر میں نقل کیا ہے۔[3]

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی والدہ ام عاصم بن عمر بن الخطابؓ کی صاحبزادی تھیں، علامہ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ ایک رات کو حضرت عمرؓ مدینہ کا گشت

۱ حسن المحاضرہ ص ۱۰۸ جلد ۱ ۲ ایضاً تذکرہ عزہ ص ۲۴۰ ۳ یہ پوری تفصیل کتاب ولاۃ مصر للکندی مطبوعہ بیروت میں مذکور ہے دیکھو کتاب مذکور ص ۵۱ تا ۵۸

کا گشت لگا رہے تھے، کہ ایک دیوار کے کنارے تھک کر بیٹھ گئے، گھر کے اندر ایک عورت اپنی لڑکی سے کہہ رہی تھی کہ "اُٹھ کر دودھ میں پانی ملا دے" لیکن لڑکی نے کہا کہ "امیر المومنین نے عام منادی کرادی ہے کہ دودھ میں پانی نہ ملایا جائے" ماں نے کہا کہ "اس وقت عمرؓ اور عمرؓ کے منادی دیکھ نہیں سکتے، تم دودھ میں پانی ملا دو" اس نے جواب دیا کہ "خدا کی قسم ایسا نہیں ہوسکتا کہ میں امیر المومنین کی اطاعت کروں اور خلوت میں اُن کی نافرمانی کا داغ اپنے دامن پہ لگاؤں" حضرت عمرؓ نے یہ تمام گفتگو سُن لی، اور اسلم سے کہا کہ اس دروازے اور اس جگہ کو یاد رکھو، صبح ہوئی تو اُن کو بھیجا کہ پتہ لگائیں کہ یہ کون عورتیں تھیں، اور وہ صاحبِ شوہر ہیں یا نہیں؟ وہ آئے تو معلوم ہوا کہ لڑکی کنواری ہے اور ماں بیوہ ہے، اب حضرت عمرؓ نے اپنے تمام لڑکوں کو جمع کیا اور کہا "اگر مجھے نکاح کی ضرورت ہوتی تو میں خود اس لڑکی سے نکاح کر لیتا، لیکن تم میں جو پسند کرے میں اس سے اس کا نکاح کر سکتا ہوں، عبداللہ اور عبدالرحمٰنؓ کے بیبیاں موجود تھیں، البتہ عاصم کو نکاح کی ضرورت تھی، اس لئے اُنھوں نے اس سے عقد کر لیا اور اسی لڑکی سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی ماں اُم عاصم پیدا ہوئیں[1] اور اس لحاظ سے حضرت عمرؓ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے پرنانا ہوئے۔

ولادت حافظ جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ مصر کے ایک گاؤں حلوان میں جس کے امیر اُن کے باپ تھے ۶۱ھ یا ۶۳ھ میں پیدا ہوئے،[2]

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۶، سیرت ابن عبدالحکم ص ۱۸۱، ۱۸۱ میں جو روایت ہے وہ اس سے کسی قدر مختلف ہے اس میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے خود عاصمؒ کو اس لڑکی کا پتہ لگانے کے لئے بھیجا اور ان سے کہا کہ تم اس سے نکاح کر لو کیونکہ اس سے ایک ایسا شہسوار پیدا ہوگا جو عرب کا سردار ہوگا۔ [2] تذکرۃ الخلفاء تذکرہ عمر بن عبدالعزیزؒ

لیکن علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ وہ یزید کے زمانہ خلافت میں مدینہ میں پیدا ہوئے اور اپنے باپ کی گورنری کے زمانہ میں مصر میں نشو ونما پائی[1]، اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے، عبدالعزیز بن مروان کی گورنری کا زمانہ جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے ۶۵ھ سے شروع ہوتا ہے، اس لئے ۶۱ھ یا ۶۳ھ میں حلوان میں اُن کی ولادت قرینِ قیاس نہیں معلوم ہوتی۔

تعلیم و تربیت بہرحال حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ مدینہ میں پیدا ہوئے، اور جب بڑے ہوئے تو اُن کے والد عبدالعزیزؒ مصر کے گورنر مقرر ہو گئے اور وہاں سے انھوں نے اپنی بی بی اُم عاصم کو لکھا کہ اپنے بچے کو لے کر مصر چلی آئیں، وہ اپنے چچا حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس آئیں، اور اس کی اطلاع دی، انھوں نے کہا کہ تم تو چلی جاؤ لیکن اس بچے کو ہمارے ہاں چھوڑ دو، کیونکہ وہ تم میں ہم سے سب سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے چنانچہ وہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو اُن کے یہاں چھوڑ کر مصر چلی گئیں، عبدالعزیز بن مروان نے اُن کو نہیں دیکھا تو پوچھا کہ عمر کہاں ہے؟ انھوں نے واقعہ بیان کیا تو بہت خوش ہوئے اور اپنے بھائی عبدالملک کو اس کی اطلاع دی، اس نے ہزار دینار ماہوار ان کا وظیفہ مقرر کر دیا، اس کے بعد وہ اپنے باپ کے یہاں آئے اور قیام کیا، پھر ایک واقعہ کے پیش آجانے سے یہ مناسب معلوم ہوا کہ ان کی تعلیم مدینہ ہی میں ہو، چنانچہ ان کو مدینہ بھیج دیا[2] اور انھوں نے وہیں صالح بن کیسان کی اتالیقی میں تعلیم و تربیت پائی اور صالح بن کیسان نے جس دیانت کے ساتھ ان کی مذہبی و اخلاقی نگرانی کی، اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ایک بار انھوں نے نماز میں تاخیر کی، اور صالح بن کیسان نے اس کی

---

[1] تذکرۃ الحفاظ تذکرہ عمر بن عبدالعزیزؒ [2] سیرت ابن عبدالحکم ص ۱۹ و ۲۰

وجہ پوچھی تو کہا کہ "بال سنوارنے میں دیر ہوگئی" بولے کہ "اب بالوں کی آرائش کو نماز پر ترجیح دیتے ہو؟" چنانچہ عبدالعزیز کو اس واقعہ کی خبر کی، اور انھوں نے فوراً ایک آدمی روانہ کیا جس نے آکر پہلے اُن کے بال منڈوائے، اس کے بعد بات چیت کی[1] غالباً یہی اثر تھا جس کی بنا پر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اُن کو اپنی اولاد کا اتالیق بھی مقرر کیا[2]۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بچپن میں قرآن مجید حفظ کیا، اور عربیت اور شعر و شاعری کی تعلیم حاصل کی۔

حدیث کی روایت اگرچہ مختلف شیوخ سے کی جن میں تابعین کے علاوہ متعدد صحابہ بھی شامل تھے، لیکن وہ اس مقدس فن میں زیادہ تر عبداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود کے مرہونِ منت ہیں، تذکرۃ الحفاظ میں بالتخصیص لکھا ہے کہ وہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے مؤدب تھے[3]، خود حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے تھے کہ "میں نے جن لوگوں سے روایت کی ہے اُن میں عبداللہ بن عبداللہ بن عتبہ کی روایتیں سب سے زیادہ ہیں[4]"

ان بزرگوں کے فیضِ صحبت سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے یہ درجہ حاصل کیا کہ بڑے محدثین کو اُن کے فضل و کمال کا اعتراف کرنا پڑا، علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں اُن کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

كَانَ اِمَامًا فَقِيهًا مُجْتَهِدًا عَارِفًا	وہ بڑے امام، بڑے فقیہ، بڑے مجتہد حدیث
بِالسنن كبير الشان ثبتا حجة حَافِظًا	کے بڑے ماہر اور معتبر، حافظ اور سند تھے۔

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۹ [2] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۳۳ تذکرہ صالح بن کیسان۔
[3] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۶۸ تذکرہ عبداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود [4] یہ تمام تفصیل سیرۃ عمر بن عبدالعزیز میں از ص ۸ تا ص ۹ میں ہے۔

میمون بن مہران کا قول ہے کہ "ہم اُن کے پاس اس خیال سے آئے تھے کہ وہ ہمارے محتاج ہوں گے، لیکن ہم کو معلوم ہوا کہ ہم خود انہی کے شاگرد ہیں" بڑے بڑے علماء ان سے مشکل مسائل کے متعلق سوال کرتے تھے اور وہ نہایت برجستگی کے ساتھ جواب دیتے تھے، ایک بار حجاز اور شام کے متعدد علماء جمع ہوئے، اور ان کے صاحبزادے عبدالملک سے کہا کہ آپ اُن سے

انی لھم التناوش من مکان بعید	وہ دور سے کیونکر پا سکتے ہیں۔

کی تفسیر کے متعلق سوال کیجئے، انھوں نے پوچھا تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ تناوش من مکان بعید سے وہ توبہ مراد ہے جس کی ایسی حالت میں خواہش کی جائے جس میں اس پر انسان قادر نہ ہو، لیکن تحصیلِ علم سے فارغ ہونے کے بعد اُن کو امورِ سلطنت کی مصروفیت نے مزاولت علمیہ کا موقع نہیں دیا، اس لئے وہ اپنے علمی سرمایہ کو محفوظ نہ رکھ سکے، اُن کا خود بیان ہے کہ "میں مدینہ سے فارغ ہو کر نکلا تو وہاں مجھ سے بڑا عالم کوئی نہ تھا، لیکن شام میں آکر سب بھول گیا[1]"

امام زہری کا بیان ہے کہ "میں نے ایک رات ان سے گفتگو کی تو انھوں نے کہا کہ جو حدیثیں آپ نے بیان کیں میں نے وہ سب سُنی تھیں، لیکن آپ نے انھیں یاد رکھا اور میں بھول گیا[2]"

شادی عبدالعزیز بن مروان کے انتقال کے بعد عبدالملک نے اپنی لڑکی فاطمہ سے ان کی شادی کر دی، اور انھوں نے نہایت بلیغ الفاظ میں اس کا شکریہ ادا کیا[3]۔

[1] تذکرۃ الحفاظ، تذکرہ حضرت عمر بن عبدالعزیز [2] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۲۷، ۲۸
[3] تاریخ الخلفاء و تذکرہ عمر بن عبدالعزیز۔ (سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ)

مدینہ منورہ کی گورنری اگرچہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے فضل و کمال کا سب سے زیادہ موزوں مظہر صرف مسندِ درس ہو سکتا تھا، لیکن خاندانِ خلافت کے تعلقات نے اس کے لئے مسندِ حکومت کا انتخاب کیا، پہلے وہ عبدالملک بن مروان کی طرف سے خناصرہ کے گورنر تھے[1]، لیکن ۸۶ھ میں جب ولید بن عبدالملک بن مروان سریر آرائے سلطنت ہوا تو اُس نے ربیع الاول ۸۷ھ میں اُن کو مدینہ کا گورنر مقرر کیا لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس عہدہ کے قبول کرنے میں لیت و لعل کیا اور جب ولید نے اس کی وجہ دریافت کی تو انھوں نے چند شرطیں پیش کیں، جن میں پہلی شرط یہ تھی کہ جو گورنر اُن سے پہلے تھے اُن کے ظلم و عدوان پر اُن کو مجبور نہ کیا جائے، ولید نے جواب دیا کہ آپ حق پر عمل کیجئے گو ہم کو ایک درہم بھی وصول نہ ہو[2]، اس معاہدے کے بعد وہ شام سے مدینہ کو روانہ ہوئے لیکن اس وقت عمر بن عبدالعزیز وہ عمر بن عبدالعزیز نہ تھے جو کبھی حضرت ابو ہریرہؓ اور کبھی حضرت مصعبؓ بن عمیر کے قالب میں نمایاں ہوتے تھے، اس لئے شام سے نکلے تو ۳۰ اُونٹوں پر اُن کا ذاتی ساز و سامان لد کر روانہ ہوا[3]، مدینہ میں پہنچے تو مروان کے مکان میں اُترے نمازِ ظہر سے فارغ ہو کر فقہائے مدینہ میں سے دس بزرگوں کو طلب کیا، اور اُن کے سامنے ایک تقریر کی، جس کا خلاصہ یہ تھا کہ میں نے آپ لوگوں کو ایک ایسے کام کے لئے طلب کیا ہے جس پر آپ لوگوں کو ثواب ملے گا، اور آپ حامیِ حق قرار پائیں گے میں آپ لوگوں کی رائے و مشورے کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں چاہتا، پس اگر آپ لوگ کسی کو ظلم کرتا ہوا دیکھیں، یا آپ لوگوں میں سے کسی کو میرے کسی عامل کے ظلم کا حال معلوم ہو تو میں خدا کی قسم دلا کر کہتا ہوں کہ وہ مجھ تک اس معاملہ کو ضرور پہنچائے" فقہاء نے یہ تقریر سُنی تو

---

[1] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۲۴۳ [2] ایضاً ص ۳۲ [3] یعقوبی جلد دوم ص ۲۲۹۔

اُن کو جزائے خیر کی دعا دیتے ہوئے واپس آئے[1]۔

تعمیر مسجد نبوی گورنری مدینہ کے زمانہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے جو نا قابلِ فراموش یادگاریں قائم کیں، ان میں ایک ابدی یادگار مسجد نبوی ہے، مسجد نبوی میں اگرچہ حضرت عمرؓ ہی کے زمانہ سے تغیر و اضافہ شروع ہو گیا تھا، بالخصوص حضرت عثمانؓ نے تو اس کو بہت کچھ شاندار بنا دیا تھا، لیکن اُن کے بعد حضرت علیؓ کے زمانہ سے لے کر عبدالملک کے زمانہ تک کسی خلیفہ نے اس میں کسی قسم کا تصرف نہیں کیا، ولید کا زمانہ آیا تو اُس نے خاص طور پر اس کی طرف توجہ دی، اور مسجد کو نئے آب و رنگ کے ساتھ تعمیر کروانا چاہا، چنانچہ جب وہ مسجد دمشق کی تعمیر سے فارغ ہوا تو ربیع الاول ۸۸ھ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو لکھا کہ مسجد نبوی نئے سرے سے تعمیر کی جائے، اور اس کے پاس ازواج مطہرات کے جو حجرے اور دوسرے مکانات ہیں وہ بقیمت لے کر مسجد میں شامل کر لیے جائیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے نہایت مستعدی کے ساتھ اس حکم کی تعمیل کی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مسجد کو شہید کرانا شروع کیا تو اکثر فقہائے مدینہ مثلاً قاسم، سالم، ابوبکر بن عبدالرحمٰن وغیرہ ساتھ تھے، ان بزرگوں نے مسجد کی داغ بیل ڈالی، اور اس کی بنیاد قائم کی۔

صفر ۸۸ھ میں تعمیر کا کام شروع ہوا، اور اسی وقت ولید نے شاہ روم کو لکھا کہ "ہم پیغمبر کی مسجد تعمیر کر رہے ہیں، ہم کو مدد دو"، چنانچہ شاہِ روم نے لاکھ مثقال سونا سو مزدور اور چالیس[4] بورے فسیفسا کے بھیجے، اور حکم دیا کہ مدائن کے کھنڈروں،

---

[1] طبری ص ۱۱۸۳ و طبقات ابن سعد ص ۲۴۵، ۲۴۶

میں سے فسیفسا تلاش کی جائے[1]، چنانچہ جب یہ مسالہ مہیا ہو گیا، تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس اہتمام کے ساتھ مسجد کی تعمیر کا کام شروع کروایا کہ جب کوئی کاریگر فسیفسا کا ایک بڑا درخت بناتا تھا تو اس کو ۳۰ درہم بطورِ انعام کے دیتے تھے[2]۔

مسجد نبوی میں اگرچہ مختلف قسم کے تغیرات ہو چکے تھے، لیکن کنگرہ اور محراب کی طرف اب تک کسی کا خیال رجوع نہیں ہوا تھا، اس کی ایجاد کا شرف صرف حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو حاصل ہوا، چنانچہ انھوں نے مسجد کے چاروں کنارے محراب قائم کروائی، اور پرنالے وغیرہ سیسے کے بنوائے[3]۔

تعمیر کا کام ۸۸ھ میں شروع ہوا تھا، اور ۹۰ھ میں ختم ہوا، اس کے بعد ۹۱ھ میں ولید نے حج اور حج کے ساتھ مسجد کا معائنہ کرنا چاہا، چنانچہ جب مدینہ کے قریب پہنچا تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اکابرِ مدینہ کو ساتھ لے کر نہایت شان و شوکت سے اس کا استقبال کیا[4]، ولید نے مسجد میں جا کر ہر طرف گھوم گھوم کے دیکھنا شروع کیا، مسجد کے مقصورہ چھت پر نظر پڑی تو اس نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے کہا کہ تمام چھتیں اسی وضع کی کیوں نہیں بنوائیں؟ بولے "صرف زیادہ پڑتا، صرف قبلہ کی دیوار اور دونوں چھتوں کے درمیان ۴۵ ہزار دینار صرف ہوئے[5]"

فوارہ | ولید کے ایماء پر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مسجد کے ساتھ ساتھ ایک فوارہ بھی تعمیر کرایا، چنانچہ ولید نے حج کیا تو فوارہ اور مخزنِ آب کو دیکھ کر نہایت خوش ہوا، اور اس کے لئے بہت سے ملازم رکھے، اور حکم دیا کہ اہلِ مسجد کو اس سے پانی پلایا جائے[6]۔

---

[1] طبری ص ۱۱۹۳، ۱۱۹۴ [2] خلاصۃ الوفا ص ۱۹۳ [3] ایضاً ص ۱۴۰ [4] یعقوبی جلد ۲ ص ۳۴ طبری ۱۲۳۲ میں اس استقبال کی پوری تفصیل لکھی ہے [5] خلاصۃ الوفا ص ۱۴۰ [6] طبری ص ۱۱۹۶

تعمیر مساجد اطراف مدینہ | حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مسجد نبوی کو نئے سرے سے تعمیر کروایا تو اطراف مدینہ کی جن جن مسجدوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی تھی، اُن کی طرف بھی توجہ کی، اور ان کو منقش پتھروں سے تعمیر کرایا[1]۔

تعمیر چاہ و ہمواری راہ | اسی سال ولید نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور دوسرے عمال کو لکھا کہ مدینہ اور عموماً دوسرے شہروں میں بکثرت کنوئیں کھدوائے جائیں اور پہاڑوں کے دشوار گذار راستے ہموار کیے جائیں[2]۔

امیر الحجاج کی خدمت انجام دینا | اسلام میں پالیٹکس اور مذہب چونکہ ہمیشہ شیر و شکر رہے، اس لئے خلفائے راشدینؓ ہی کے زمانہ سے یہ رسم قائم ہو گئی تھی کہ خود خلفاء ایامِ حج میں امیر الحجاج بنتے تھے، اور لوگوں کو اپنے ساتھ حج کراتے تھے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بھی اپنے زمانہ گورنری میں یہ مقدس خدمت متعدد بار انجام دی، چنانچہ یعقوبی نے تمام سالوں کی تصریح کی ہے، جن میں انھوں نے لوگوں کو اپنے ساتھ حج کرایا[3]۔

معزولی | حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ۸۶ھ سے لے کر ۹۳ھ تک گورنری کے عہدے پر فائز رہے اور مدینہ کے ساتھ مکہ اور طائف بھی ان کے زیرِ حکومت رہے لیکن آخرکار ۹۳ھ میں اُن کو اس عہدہ سے الگ ہونا پڑا، تاریخ طبری[4] میں اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ولید کو ایک خط لکھا جس میں حجاج کے مظالم کی شکایت کی، حجاج کو اس کی خبر ہوئی، تو اس نے جل کر ولید کو ایک خط لکھا کہ عراق سے بہت سے

---

[1] فتح الباری جلد اول ص ۴۷۲ [2] طبری ص ۱۱۹۶
[3] یعقوبی جلد دوم ص ۳۴۹ [4] طبری ص ۱۲۵۴

مفسدہ پرداز لوگ جلاوطن ہو کر مکہ اور مدینہ میں آباد ہو گئے ہیں جو ایک قسم کی سیاسی کمزوری ہے، ولید نے لکھا کہ مجھے دو شخصوں کے نام بتاؤ جو مدینہ اور مکہ کی گورنری کر سکیں حجاج نے خالد بن عبداللہ اور عثمان بن حیان کے نام لکھ بھیجے اور ولید نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو معزول کر کے خالد کو مکہ کا اور عثمان کو مدینہ کا گورنر مقرر کر دیا[1]

لیکن سیرت عمر بن عبدالعزیز میں لکھا ہے کہ ۹۳ھ میں ولید نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کو لکھا کہ حبیب کو سزا دیں، حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے اگرچہ اس حکم کی تعمیل کی اور ان کو سو کوڑے لگوائے، قید خانہ میں محبوس رکھا، اور ان کے جسم پر ٹھنڈا پانی چھڑکوایا، تاہم اس قسم کی سفاکیاں اُن کی فطرت کے بالکل مخالف تھیں، چنانچہ جب اُن سزاؤں کے بھگت لینے کے بعد لوگ اُن کو لے گئے اور وہ گھر جا کر مر گئے تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے ماجشون کو بھیجا کہ جا کر اُن کی حالت دریافت کرآئیں وہ آئے تو لوگوں نے اُن کے چہرے سے چادر اُلٹ دی اور انھوں نے اُن کو مردہ پایا پلٹے تو اُن کا بیان ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ پریشانی میں کبھی اُٹھتے تھے کبھی کھڑے ہو جاتے تھے، انھوں نے انتقال کی خبر سنائی، تو وہ زمین پر گر پڑے، اور انا للہ پڑھتے ہوئے اُٹھے اور گورنری سے استعفاء دیدیا[2]

---

[1] طبری ص ۱۲۵۴

[2] سیرت عمر بن عبدالعزیز رضؓ ص ۳۴، ۳۵

خلافت

اگرچہ تمام خاندان بنو امیہ مہمات امور میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کی طرف رجوع کرتا تھا[1] لیکن سلیمان بن عبدالملک کو ان پر اس قدر اعتماد تھا کہ اس نے اُن کو گویا اپنا وزیر بنا لیا تھا[2]، اس بنا پر کہ اُس کے بعد جو لوگ خلافت کے مستحق ہو سکتے تھے اُن میں ایک حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ بھی تھے، چنانچہ جب عہد نامۂ خلافت پر سلیمان بن عبدالملک نے گمنام طریقہ سے بیعت لی، تو خود حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کو خیال پیدا ہوا کہ قرعۂ فال کہیں ان کے نام تو نہیں پڑا؟ آخر کار اُن کا یہ خیال صحیح نکلا چنانچہ جب سلیمان بن عبدالملک جب مقام دابق میں جو فوج کا اجتماع گاہ تھا، ۹۹ھ میں بیمار ہوا اور اُس کو زیست سے مایوسی ہوئی تو اُس نے پہلے اپنے نابالغ لڑکے ایوب کو ایک وصیت نامہ کے ذریعہ سے اپنا ولی عہد مقرر کیا، لیکن رجاء بن حیات نے اس سے اختلاف کیا کہ خلیفہ کا سب سے زیادہ قابلِ یادگار کارنامہ یہ ہے کہ وہ صالح شخص کو اپنا جانشین بنائے یہ سُن کر سلیمان نے کہا کہ "ابھی میں نے عزم مصمم نہیں کیا ہے اس پر غور کروں گا" چنانچہ اس نے دو ایک روز کے بعد اس وصیت نامہ کو چاک کر دیا اور رجاء بن حیات کو بلا کر پوچھا کہ

---

[1] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز رضؓ ص ۲۲ [2] حسن المحاضرہ جلد ۲ صـ ۱۱۲ و تاریخ الخلفاء تذکرہ سلیمان بن عبدالملک [3] سیرۃ ابن عبدالحکم صـ ۲۹ میں ہے کہ سلیمان بن عبدالملک سے پہلے ہی ایوب کا انتقال ہو چکا تھا اور ان کے علاوہ اس کے تمام لڑکے چھوٹے اور ناقابلِ بیعت تھے۔

داؤد بن سلیمان کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ داؤد اس وقت قسطنطنیہ میں تھے، رجاء نے کہا کہ آپ کو کیا معلوم ہے کہ وہ زندہ ہیں یا مر گئے، سلیمان نے کہا تو پھر تمہاری نگاہ کس پر پڑتی ہے؟ بولے "آپ نام لیجئے، میں اس پر غور کر دوں گا"، سلیمان نے کہا کہ عمر بن عبد العزیز کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ رجاء نے کہا "وہ نہایت برگزیدہ مسلمان ہیں" سلیمان بولا میرا بھی یہی خیال ہے، لیکن اگر میں اُن کو خلیفہ مقرر کر دوں اور عبد الملک کی اولاد کا بالکل خیال نہ کروں تو ایک فتنہ اُٹھ کھڑا ہوگا، اور جب تک میں اُن میں کسی کو اُن کے بعد ولی عہد نہ بنا لوں وہ لوگ اُن کی خلافت کو تسلیم نہ کریں گے، اس لئے یزید بن عبد الملک کو ان کے بعد ولی عہد بناتا ہوں، میرا یہ طرزِ عمل اُن کو تسکین دیدیگا۔ رجاء نے بھی اس سے اتفاق کیا اور سلیمان نے خود اپنے ہاتھ سے عہد خلافت لکھا، اور اس کو مہر بند کر کے کعب بن جابر افسر پولیس کے پاس کہلا بھیجا کہ میرے تمام خاندان کو ایک جگہ مجتمع کریں، وہ لوگ جمع ہوئے تو اس عہد نامہ کو رجاء کے حوالہ کیا اور کہا کہ یہ میری تحریر ہے، ان کو حکم دو کہ جس کو میں نے خلیفہ مقرر کیا ہے، اس کے ہاتھ پر بیعت کریں، رجاء نے اُن کو خلیفہ کا یہ حکم سنایا تو سب نے سمعنا و اطعنا کہا اور پوچھا کہ کیا ہم خلیفہ کے پاس جا کر عرض کر سکتے ہیں؟ رجاء نے کہا ہاں! چنانچہ، جب وہ لوگ اندر گئے تو سلیمان نے رجاء کے ہاتھ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ میرا وصیت نامہ ہے جس کو میں نے خلیفہ مقرر کیا ہے، اُس کے ہاتھ پر بیعت کرو، اور اس کے فرمانبردار بنو، اس پر سب نے الگ الگ بیعت کی، چونکہ یہ بیعت گمنام تھی، اس لئے جب تمام خاندان کے لوگ ہٹ گئے تو مستحقین خلافت مثلاً ہشام بن عبد الملک اور حضرت عمر بن عبد العزیز رح نے اپنے متعلق سوال

کیا[1]، لیکن رجاء نے اس تحریر کو بالکل صیغۂ راز میں رکھا، اور کسی کو اس کے ایک حرف سے بھی اطلاع نہ دی، اس کے تین دن بعد سلیمان نے انتقال، لیکن رجاء نے نہایت اہتمام کے ساتھ اس کی موت کو چھپایا، اور دروازے پر نہایت معتبر اشخاص کو بٹھا دیا کہ کوئی شخص لاش تک نہ جانے پائے اور دوبارہ تمام خاندان بنو امیہ کو مسجد دابق میں جمع کیا اور نئے سرے سے بیعت لینا چاہی، لیکن ان لوگوں نے کہا کہ جب ہم ایک بار بیعت کر چکے ہیں تو کیا دوبارہ پھر بیعت کریں، رجاء نے کہا کہ یہ امیر المومنین (سلیمان) ہیں، ان کا جو فرمان ہے اور جس کو انھوں نے خلافت کے لئے انتخاب کیا ہے اس کے لئے بیعت کرو، سب نے پھر ایک ایک کر کے بیعت کی، اب جب کہ رجاء کو یقین ہو گیا کہ معاہدہ مستحکم ہو گیا تو انھوں نے وصیت نامہ کا مضمون پڑھ کر سنایا اور سلیمان کی موت کی خبر دی، حضرت عمر بن عبد العزیز رح کا نام آیا تو ہشام بن عبد الملک نے کہا کہ "ہم اُن کے ہاتھ پر قیامت تک بیعت نہیں کر سکتے، بولے کہ اُٹھو اور بیعت کرو ورنہ تمہارا سر قلم کر دوں گا" اس کے بعد رجاء نے حضرت عمر بن عبد العزیز رح کا ہاتھ پکڑ کر منبر پر کھڑا کر دیا، اور انھوں نے اس بارِ عظیم پر اور ہشام نے اپنی ناکامی پر انا للہ پڑھا۔

ان تمام مراحل کے طے ہونے کے بعد سلیمان بن عبد الملک کی تجہیز و تکفین کا سامان کیا گیا، اور خود حضرت عمر بن عبد العزیز رض نے نماز جنازہ پڑھائی اور خود اس کو قبر میں اُتارا تجہیز و تکفین سے فارغ ہونے کے بعد تمام شاہی سواریاں جس میں خچر اور ترکی گھوڑے وغیرہ تھے

[1] لیکن اس کے معنی یہ نہ تھے کہ وہ اس مژدہ کو سننا چاہتے تھے، بلکہ سیرۃ ابن حکم صہ۳ میں ہے کہ انھوں نے رجاء ابن حیات کو قسم دلا کر کہا تھا کہ اگر ولیعہدی کے متعلق سلیمان بن عبد الملک میرا نام لے تو تم روک دینا اور اگر میرا نام نہ آئے تو تم میرا نام نہ لینا۔

حاضر کئے گئے، لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے کہا کہ "میرا خچر میرے لئے کافی ہے"، یہ کہہ کر اُن کو واپس کر دیا، افسر پولیس نیزہ لے کر آگے آگے چلا تو اس کو ہٹا دیا اور کہا کہ "میں بھی تمام مسلمانوں کی طرح ایک مسلمان ہوں"۔

سیرۃ ابن عبدالحکم ص ۳۵ میں ہے کہ جب اُن کے سامنے سواریاں پیش کی گئیں تو انھوں نے کہا کہ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ان پر اب تک سواری نہیں کی گئی ہے جب کوئی شخص خلیفہ ہوتا ہے تو سب سے پہلے وہ اُن پر سوار ہوتا ہے لیکن انھوں نے اپنا خچر طلب کیا اور اپنے غلام مزاحم سے کہا کہ اُن کو بیت المال میں داخل کر دو، اسی طرح اُن کے لئے خیمے نصب کئے گئے، انھوں نے اُن کے متعلق بھی یہی سوال کیا، تو معلوم ہوا کہ یہ وہ خیمے ہیں جن میں اب تک کسی نے قیام نہیں کیا ہے، ان میں صرف وہ شخص قیام کرتا ہے جو خلیفہ ہوتا ہے، انھوں نے مزاحم کو اُن کے متعلق بھی یہی حکم دیا کہ بیت المال میں داخل کر دو، پھر خچر پر سوار ہو کر آئے تو وہ فرش فروش ملے جن پر صرف وہ شخص بیٹھتا تھا، جو خلیفہ ہوتا تھا، لیکن وہ اُن کو مسلتے ہوئے چٹائی تک پہنچے، اور مزاحم سے کہا کہ ان کو بیت المال میں داخل کر دو۔

خلفائے بنو امیہ کے یہاں دستور تھا کہ جب خلیفہ مر جاتا تھا تو اس کے استعمالی کپڑے اور خوشبوئیں اس کی اولاد کو ملتی تھیں اور غیر استعمالی کپڑوں اور خوشبوؤں کا مالک خلیفہ ہوتا تھا، اسی طریقے کے مطابق سلیمان بن عبدالملک کے لڑکوں نے ان چیزوں کو تقسیم کرنا چاہا، لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز رضؓ نے کہا کہ یہ نہ میری ہیں نہ سلیمان کی، اور نہ تمھاری یہ کہہ کر مزاحم کو حکم دیا کہ ان سب کو بیت المال میں داخل کر دو۔

(سیرۃ ابن عبدالحکم ص ۳۶)

واپسی کے وقت لوگوں کو خیال ہوا کہ قصر خلافت میں نزولِ اجلال ہوگا، لیکن چونکہ اس میں سلیمان کے اہل و عیال تھے اس لئے اپنے ہی خیمہ میں اُترے اور کہا کہ "میرا خیمہ میرے لئے کافی ہے" اندر داخل ہوئے اور لونڈی نے اُن کے بُشرے کو دیکھ کر کہا کہ "آپ شاید متردد ہیں" بولے کہ "یہ تشویشناک بات ہی ہے، مشرق و مغرب میں امتِ محمدیہ کا کوئی فرد ایسا نہیں ہے جس کا مجھ پر حق نہ ہو، اور بغیر مطالبہ و اطلاع اس کا ادا کرنا مجھ پر فرض نہ ہو"۔ اس کے بعد مسجد میں آئے اور منبر پر کھڑے ہو کر ایک خطبہ دیا جس کا خلاصہ یہ ہے:۔

"لوگو! مجھ پر خلافت کا بار بغیر اس کے کہ مجھ سے رائے لی جاتی یا میں اس کا خواستگار ہوتا یا عام مسلمانوں سے مشورہ لیا جاتا، ڈال دیا گیا، میری بیعت کا جو قلادہ تمھاری گردنوں میں ہے میں اس کو خود نکال لیتا ہوں، اب جس کو پسند کرو خلیفہ مقرر کرو"۔

اس خطبہ کو تمام لوگوں نے سُن کر بآوازِ بلند کہا کہ ہم نے آپ کو اپنا خلیفہ منتخب کیا اور آپ کی خلافت پر راضی ہوئے، جب یہ ہنگامہ فرو ہوا تو انھوں نے حمد و نعت کے بعد ایک مفصل تقریر کی، جس میں لوگوں کو تقویٰ، فکر آخرت، تذکرِ موت کی طرف توجہ دلائی اور آخر میں بآوازِ بلند فرمایا کہ:۔

"لوگو! جو شخص خدا کی اطاعت کرے اس کی اطاعت واجب ہے اور جو شخص اس کی نافرمانی کرے اس کی فرمانبرداری جائز نہیں، جب تک میں خدا کی اطاعت کروں، میری اطاعت کرو اور اگر میں اس کی نافرمانی کروں تو میری فرماں برداری تم پر فرض نہیں ہے"۔

یہ سب کچھ ہو چکا، لیکن عبدالعزیز بن ولید کو اب تک حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خلافت اور بیعت کا حال معلوم نہیں تھا، اس لئے جب اس کو سلیمان بن عبدالملک کی موت کا حال معلوم ہوا تو اپنے ہمراہیوں سے اپنے ہاتھ پر بیعت لی، اور اُن سے بیعت لے کر دمشق کا رُخ کیا، کہ وہاں بھی چل کر لوگوں سے بیعت لے، دمشق پہنچا تو معلوم ہوا کہ خود سلیمان کی وصیت کے موافق لوگوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خلافت پر بیعت کر لی ہے، اب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں نے اس کے متعلق استفسار کیا، اس نے جواب دیا کہ یہ سب کچھ لاعلمی میں ہوا، مجھ کو یہ معلوم نہ تھا کہ خود سلیمان نے کسی کو خلیفہ مقرر کیا ہے، اس لئے میرے دل میں خیال پیدا ہوا لوگ مال و دولت کو لُوٹ نہ لیں، اس خیال سے میں نے اپنے ہاتھ پر بیعت لی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے کہا کہ "اگر لوگ تمھارے ہاتھ پر بیعت کر لیتے، اور تم امورِ خلافت کو سنبھال لیتے تو میں تم سے بالکل اختلاف نہ کرتا اور اپنے گھر میں بیٹھ رہتا، اب عبدالعزیز نے یہ کہہ کر کہ "میں آپ کے سوا کسی کو اس کا مستحق نہیں سمجھتا، اُن کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔"

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان تمام مراحل کے بعد امورِ خلافت کی طرف توجہ کی ایک کاتب کو بلوایا، اور نہایت مختصر الفاظ میں ایک فرمان لکھوا کر تمام ممالکِ محروسہ میں بھیجا، قسطنطنیہ میں جو فوج مقیم تھی وہ رسد کی کمی سے بالکل فاقہ مست ہو رہی تھی، اس کے لئے غلہ روانہ کیا، اور اس کو واپس بلا لیا، سلیمان بن عبدالملک نے عام حکم دیا تھا کہ ہر جگہ سے گھوڑے جمع کر کے باہم گھوڑدوڑ کرائی جائے، ابھی گھوڑدوڑ کا زمانہ نہیں آیا تھا کہ اس کا انتقال ہو گیا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اگرچہ بذاتِ خود ناپسند فرماتے تھے تاہم لوگوں نے سفارش کی کہ تمام لوگ دُور دُور سے تکلیف اٹھا کر گھوڑے لائے

ہیں، اس لئے گھوڑدوڑ کی اجازت دی، اور جن لوگوں کے ہاتھ میدان رہا اُن کو انعام دلوائے۔

مختلف شہروں میں عمال و قضاۃ مقرر فرمائے جن کے نام طبقات ابن سعد میں بہ تفصیل مذکور ہیں [1]

---

[1] یہ پوری تفصیل طبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن عبدالعزیز رضؓ اور سیرۃ عمر بن عبدالعزیز رضؓ باب دوازدہم سے ماخوذ ہے۔

اموالِ مغصوبہ کی واپسی

خلفائے بنو اُمیہ نے رعایا کے مال وجائداد پر جو ظالمانہ قبضہ کر لیا تھا اُن کا واپس دلانا ایک مجددِ خلافتِ اسلامیہ کا سب سے مقدم فرض تھا، اور تائیدِ ایزدی نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ سے سب سے پہلے یہی خدمت انجام دلائی، وہ جب سلیمان بن عبد الملک کی تجہیز و تکفین اور خلافت کے ابتدائی مراحل کو طے کر کے مکان پر واپس آئے تو قیلولہ کرنا چاہا، لیکن اسی حالت میں اُن کے صاحبزادے عبد الملک نے آکر کہا "آپ اموالِ مغصوبہ کی واپسی سے پہلے سونا چاہتے ہیں"، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے عذر کیا کہ میں سلیمان کی تجہیز و تکفین میں شب بیداری کی ہے، اس لئے نماز ظہر کے بعد یہ خدمت انجام دُوں گا، لیکن عبد الملک نے کہا کہ ظہر کے وقت تک آپ کی زندگی کا کون ذمہ دار ہو سکتا ہے؛ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ پر اس فقرہ کا اس قدر اثر ہوا کہ اُن کو پاس بُلا کر لپٹا لیا، اور اُن کی پیشانی پر بوسہ دے کر فرمایا کہ "اس خدا کا شکر ہے جس نے مجھ کو ایک ایسی اولاد دی جو مجھ کو مذہبی کاموں میں مدد دیتی ہے"، اب قیلولہ کا خیال خواب فراموش ہو گیا اور فوراً اُٹھ کر منادی کرائی کہ لوگ اموالِ مغصوبہ کے متعلق

اپنی اپنی شکایتیں پیش کریں[1]۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے میمون بن مہران، مکحول اور ابو قلابہ سے اس بارے میں مشورہ کیا تو مکحول نے دبی زبان سے اپنی رائے ظاہر کی جس کو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ناپسند فرما کر میمون بن مہران کے چہرے کی طرف دیکھا میمون نے کہا کہ اپنے صاحبزادے عبد الملک کو بھی طلب فرما لیجئے، وہ ہم لوگوں سے کم صائب الرائے نہیں ہیں، عبد الملک آئے تو اُن سے پوچھا کہ لوگ اموال مغصوبہ کا مطالبہ کر رہے ہیں، اس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؛ بولے آپ ان کو فوراً واپس کر دیجئے ورنہ جن لوگوں نے اُن پر غاصبانہ طریقہ سے قبضہ کیا ہے آپ بھی ان کے شریکِ کار ہوں گے۔ اب حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے منبر پر چڑھ کر لوگوں کی جائدادیں واپس دلانا شروع کیں، چونکہ خود بھی خاندانِ بنو امیہ کے رکن تھے۔ اس لئے سب سے پہلے اپنی ذات اور اپنے خاندان سے ابتداء کی اور جاگیروں کی جو سندیں تھیں اُن کی نسبت اپنے مولیٰ مزاحم کو حکم دیا کہ وہ پڑھ پڑھ کر سناتے جائیں، وُہ ان سندوں کو پڑھ پڑھ کر سُناتے جاتے تھے اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ ان کو مقراض سے کتراتے جاتے تھے، اُن کی یہ جاگیریں عرب کے مختلف حصوں مثلاً یمن اور یمامہ وغیرہ میں پھیلی ہوئی تھیں حضرت عمر بن عبد العزیزؒ ان سب سے دست بردار ہو گئے یہاں تک کہ ایک انگوٹھی کا نگینہ جو ان کو ولید نے دیا تھا اس کو بھی واپس کر دیا، مزاحم سے یہ دیکھا نہ گیا، اور بولے اولاد کی معاش کا کیا سامان ہو گا؛ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے رخساروں پر آنسو جاری ہو گئے، اور بولے کہ اُن کو خدا پر چھوڑتا ہوں"! اپنے اور اپنے اہل وعیال کے مصارف کے لئے صرف خیبر اور ایک نہر کو محفوظ رکھا، جس کو انھوں نے اپنے عطیہ کی آمدنی سے کھدوایا تھا اور جس کا انھوں نے

---

[1] سیرۃ عمر بن عبد العزیز صہ ۵۴

سالانہ منافع کم وبیش ۱۵۰ دینار تھا، لیکن جب خیبر کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد تک تمام مسلمانوں کا عام حق تھا، لیکن حضرت عثمانؓ نے اس کو اپنے عہدِ خلافت میں مروان کی جاگیر میں دیدیا تھا، جو وراثۃً بعد وراثۃٍ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے قبضہ میں آیا، تو اس کو بھی واپس کر دیا اور صرف نہر کو باقی رکھا۔

سب سے زیادہ اہم معاملہ باغِ فدک کا تھا، جو اس وقت اُن کے قبضہ میں تھا، ابن سعد نے لکھا ہے کہ جب وہ خلیفہ ہوئے تو اُن کی اور اُن کے اہل وعیال کی معاش کا تمام تر دار ومدار صرف فدک پر تھا جس کی سالانہ آمدنی دس ہزار دینار تھی، لیکن خلیفہ ہونے کے ساتھ ہی اُنھوں نے فدک کے متعلق رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور خلفائے راشدینؓ کے طرزِ عمل کا پتہ لگانا شروع کیا، جب انکشافِ حقیقت ہوا تو عام مروانی خاندان کو جمع کر کے کہا کہ فدک خاص رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خالصہ تھا جس کی آمدنی آپ اپنی اور بنو ہاشم کی مختلف ضروریات میں صرف کرتے تھے، حضرت فاطمہؓ نے آپ سے اس کو مانگا تھا لیکن آپ نے انکار فرما دیا تھا، حضرت عمر کے زمانہ تک اسی کے موافق عمل ہوتا رہا، لیکن اخیر میں مروان نے اس کو اپنی جاگیر میں داخل کر لیا، اس کے بعد وہ میرے قبضہ میں آیا، لیکن جو چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ کو نہیں دی اس میں میرا کوئی حق نہیں ہے، اور میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ فدک کی جو حالت عہدِ رسالت میں تھی اس کو اسی طرف لوٹاتا ہوں[1]۔

---

[1] ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب فی وصایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اموال وطبقات ابن سعد وسیرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے انیسویں باب میں یہ تمام تفصیل ہے، طبقات میں جس طرح فدک حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے قبضہ میں آیا، اس کی تفصیلی تاریخ بھی لکھی ہے۔

چنانچہ اس کے متعلق ابوبکر ابن محمد بن عمرو بن حزم کو ایک خط لکھا کہ مجھے تحقیقات کے بعد معلوم ہوا ہے کہ فدک سے فائدہ اُٹھانا میرے لئے جائز نہیں، اس لئے میں اس کو اسی حالت پر لانا چاہتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ کے زمانہ میں تھی، جب آپ کو میرا یہ خط ملے تو اس کو ایک ایسے شخص کے قبضہ میں دیجیے جو تمام حقوق کی محافظت کے ساتھ اس کی نگرانی کرے۔

اُن کی بی بی فاطمہ کی ایک لونڈی تھی، جس پر وہ قبل خلافت فریفتہ تھے، خلافت کے بعد وہ ایک دن بن سنور کر اُن کے سامنے آئی، تو انھوں نے پوچھا کہ تم فاطمہ کی ملک میں کیونکر آئی ہو؟ بولی کہ حجاج نے کوفہ کے ایک عامل پر تاوان لگایا تھا، اور میں اس کی مملوکہ تھی، حجاج نے مجھے انتخاب کیا اور عبدالملک بن مروان کے پاس بھیج دیا، میں اس وقت بالکل بچہ تھی، اس لئے عبدالملک نے مجھے اپنی لڑکی فاطمہ کو دیدیا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے پوچھا کہ وہ عامل کیا ہوا؟ بولی کہ مر گیا، البتہ اس کی اولاد موجود ہے جن کا حال نہایت بُرا ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فوراً اُن کو طلب کر کے ان کا تمام مال مع اس لونڈی کے واپس کر دیا، لونڈی چلنے لگی تو بولی کہ آپ کا عشق کیا ہوا؟ بولے کہ وہ اب تک ہے بلکہ اور بڑھ گیا ہے[1]۔

فاطمہ کے پاس ایک نہایت قیمتی جواہر تھا جس کو عبدالملک نے دیا تھا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اُن سے کہا کہ "تم کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے، یا تو اس کو واپس کر دیا مجھ سے علٰحدہ ہو جاؤ"۔ اُنھوں نے کہا کہ "میں آپ کو اس پر اور اس سے کئی گُنے بیش قیمت جواہرات پر ترجیح دیتی ہوں"۔ چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کو

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ صفحہ ۱۵۶

بیت المال میں داخل کر دیا، اُن کے بعد جب یزید خلیفہ ہوا تو اس نے اُس جواہر کو پھر
فاطمہ کو دینا چاہا مگر انھوں نے انکار کر دیا۔[1]

عیینہ بن سعید بن العاص اُن کے ایک دوست تھے، جن کو سلیمان بن عبد الملک
نے ۲۰ ہزار دینار کے دلوانے کا حکم دیا تھا، اور تمام دفتری کارروائی مکمل ہو چکی تھی
کہ سلیمان بن عبد الملک کا انتقال ہو گیا، اس کے بعد حضرت عمر بن عبد العزیزؒ خلیفہ
ہوئے تو وہ ان کے پاس آئے اور اپنے دوستانہ تعلقات کی بنا پر اس کا مطالبہ
کیا، لیکن انھوں نے کہا کہ "۲۰ ہزار دینار تو مسلمانوں کے چار ہزار گھروں کے لئے
کافی ہو سکتے ہیں میں صرف ایک آدمی کو کیونکر دلوا دوں؟ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی جاگیر
میں جبل الورس ایک پہاڑ تھا، انھوں نے طنزاً کہا کہ "پھر جبل الورس کو خود کیوں لیتے
ہو؟" بولے تمہارے طعنے نے مجھ کو یاد دلایا ورنہ میں اس کو بھول گیا تھا، اس کے
بعد عبد العزیزؒ کی جاگیر کی تمام دستاویزوں کو منگوا کر چاک کر دیا۔[2]

اس کے بعد عام طور پر لوگوں کے اموال مغصوبہ واپس دلائے، ابن سعد نے
طبقات میں لکھا ہے کہ "امیر معاویہؓ کے زمانہ سے لے کر اُن کے زمانہ تک جو جائدادیں
غصب کر لی گئی تھیں انھوں نے سب واپس دلا دیں، اور یہ سلسلہ تا دم مرگ قائم رہا حقوق
کی واپسی کے لئے کسی قطعی شہادت یا حجت کی ضرورت نہ تھی، بلکہ جو شخص دعویٰ کرتا تھا
معمولی سے معمولی ثبوت پر اس کا مال واپس مل جاتا تھا۔[3] ایک بار بدوؤں نے دعویٰ کیا
کہ انھوں نے ایک قطعہ زمین آباد کیا تھا جس کو عبد الملک نے اپنی بعض اولاد کو دیدیا

[1] سیرت عمر بن عبد العزیز صـ ۱۰۱ [2] سیرت ابن عبد الحکم ص ۵۶، ۵۷ [3] طبقات ابن سعد
تذکرہ عمر بن عبد العزیزؒ ص ۲۵۲

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "زمین خدا
کی زمین ہے، اور بندے خدا کے بندے ہیں، جس نے بنجر زمین کو آباد کیا وہ اس کا مستحق
ہے" یہ کہہ کر زمین بدوؤں کو واپس دلا دی۔[1]

ان ذاتی سرگرمیوں کے ساتھ امراء و عمال کو ہدایتیں بھیجتے رہتے تھے کہ وہ اسی
مستعدی کے ساتھ اموالِ مغصوبہ کو واپس دلائیں، ابو الزناد کا بیان ہے کہ عراق میں ہم
کو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے لکھا کہ ہم اہلِ حقوق کو حقوق واپس دلا دیں، چنانچہ ہم نے
اس کام کو شروع کیا تو عراق کا بیت المال بالکل خالی ہو گیا اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ
کو شام سے روپیہ بھیجنا پڑا، ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم کہتے ہیں کہ عمر بن عبد العزیزؒ
کی کوئی تحریر ایسی نہیں آئی تھی جس میں اموال مغصوبہ کی واپسی، احیائے سنت اماتتِ
بدعت یا تقسیم و تقرری عطیہ کی ہدایت درج نہ ہو، ایک بار ان کو لکھ بھیجا کہ دفتروں
کا جائزہ لیں اور قدیم عمال نے کسی مسلمان یا ذمی پر ظلم کیا ہو تو اس کا مال واپس
کر دیں اور اگر وہ خود زندہ نہ ہو تو اس کے ورثہ کو دیدیں۔[2]

جو عمال ان کے اس حکم میں لیت و لعل کرتے تھے، اُن سے بہت ناراض ہوتے
تھے، عروہ یمن کے عامل تھے، ایک بار انھوں نے اس معاملہ میں لیت و لعل کی تو ان
کو لکھا کہ میں تم کو لکھتا ہوں کہ مسلمانوں کے اموال مغصوبہ واپس کر دو اور تم اس کے متعلق
مجھ سے سوال و جواب کرتے ہو، تمھیں یہ معلوم نہیں ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان
کس قدر بعد مسافت ہے، اور تم کو اپنی موت کے وقت کی بھی خبر نہیں۔ اگر میں تم
کو لکھتا ہوں کہ ایک مسلمان کی غصب شدہ بکری واپس کر دو تو تم لکھتے ہو کہ وہ

[1] سیرۃ عمر بن عبد العزیزؒ ص ۱۰۴ [2] طبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن عبد العزیزؒ ص ۲۵۲

بھوری ہو یا سیاہ، مسلمانوں کا مال واپس کرو، اور مجھ سے اس معاملہ میں خط و کتابت نہ کرو۔[1]

بعض عمال جو اُن کی طرف سے مقرر ہو کر جاتے تھے، وہ خود اطلاع دیتے تھے کہ ہم سے پہلے جو عمال تھے، انھوں نے بجبر خدا کا مال غصب کر لیا تھا، اگر امیر المؤمنین کا ارشاد ہو تو یہ مال اُن سے بجبر ضبط کر لیا جائے۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ اُن کو حکم لکھوا دیتے تھے کہ اس معاملہ میں مجھ سے مشورہ کرنے کی ضرورت نہیں، اگر شہادت ہو تو شہادت کی رُو سے اور اقرار ہو تو اقرار کی رُو سے مال واپس کر لو، ورنہ حلف لے کر چھوڑ دو۔ عدی بن ارطاۃ اور عبد الحمید کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آیا۔[2]

بیت المال سے جو رقمیں واپس دلاتے تھے، اُن کے متعلق پہلے یہ حکم دیا تھا کہ جب سے وہ بیت المال میں داخل ہیں، اسی وقت سے اُن کی زکوٰۃ وصول کی جائے لیکن بعد کو یہ حکم منسوخ کر دیا، اور صرف ایک سال کی زکوٰۃ لی۔[3]

---

۱ سیرت عمر بن عبد العزیز صفحہ ۹۷ ۲ ایضاً صفحہ ۸۴ ۳ طبقات تذکرہ عمر بن عبد العزیزؓ صفحہ ۲۵۲

اموالِ مغصوبہ کی واپسی کا اثر

خاندانِ بنو امیہ پر اثر

حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کے اس طرزِ عمل کا اثر مختلف لوگوں پر مختلف پڑا، خوارج کے فرقے نے جو ہمیشہ خلفاء کے مقابلہ میں علمِ بغاوت بلند کرتا رہتا تھا، اس عدل و انصاف کا حال سنا تو سب نے مجتمع ہو کر صاف کہہ دیا کہ اب اس شخص سے جنگ کرنا ہمارے لئے مناسب نہیں۔[1] لیکن تمام خاندان بنو امیہ دفعتہً برہم ہو گیا، اولاً تو ذاتی جائداد کا ہاتھ سے نکل جانا خود اشتعال کا سبب ہو سکتا تھا، اس کے ساتھ قدیم تفوق و امتیاز نے اُن کے لئے مساوات کو بالکل خوابِ فراموش بنا دیا تھا، اس لئے انھوں نے اپنے آپ کو تمام مسلمانوں کے ساتھ ایک سطح پر دوش بدوش کھڑا ہوا دیکھا تو ان کو اپنی سخت ذلت محسوس ہوئی، سب سے بڑی بات یہ تھی کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے اس طرزِ عمل سے اُن لوگوں کو یقین ہو گیا تھا کہ حضرت عمر بن عبد العزیز سے پہلے خلفائے بنو امیہ نے جو روش اختیار کی تھی وہ شرعاً ناجائز اور عدل و انصاف کے مخالف تھی اس لئے اس خاندان کو اپنے پورے سلسلہ کا دامن داغدار نظر آتا تھا چنانچہ اس خاندان کے مختلف افراد

---

۱ سیرۃ عمر بن عبد العزیز رحمہ صفحہ ۵۴

نے مختلف طریقوں سے خود حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے سامنے اس کا اظہار کیا۔

ایک دن حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے تمام مروانی خاندان کو جمع کر کے کہا کہ "اے بنی مروان! تم کو بہت سے حصے بہت سی عزتیں اور بہت سی دولت ملی تھی، اور میں خیال کرتا ہوں کہ تمام امت کا نصف یا ثلث مال تمہارے قبضہ میں آگیا تھا" سب نے یہ سن کر خاموشی اختیار کی، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے کہا کہ "جواب دو" سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ جب تک ہمارا سر ہمارے دھڑ سے الگ نہ ہو جائے ہم نہ اپنے آبا و اجداد کی تکفیر کر سکتے ہیں، نہ اپنی اولاد کو محتاج بنا سکتے ہیں" ایک دن حضرت عمر بن عبد العزیزؒ، ہشام بن عبد الملک کے سامنے گذشتہ مظالم کا ذکر کر رہے تھے، ہشام بے اختیار بول اٹھا کہ خدا کی قسم ہم نہ اپنے آباء و اجداد پر عیب لگا سکتے ہیں نہ اپنی قوم میں عزت کو برباد کر سکتے۔

ایک دن حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے سامنے بہت سی لونڈیاں پیش کی جا رہی تھیں اتفاق سے عباس بن الولید بن عبد الملک بھی اس موقع پر موجود تھا، اور جب کوئی لونڈی سامنے سے گزرتی تھی تو کہتا تھا کہ "اے امیر المومنین اس کو خود لے لیجئے" جب اس نے بار بار اس فقرے کا اعادہ کیا تو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے فرمایا کیا تم مجھے زنا کی ترغیب دیتے ہو؟ عباس وہاں سے اٹھا اور خاندان کے چند افراد سے کہا کہ "ایسے شخص کے دروازے پر کیوں بیٹھے ہو جو تمہارے آباء و اجداد کو زانی کہتا ہے"!

ان اسباب سے تمام مروانی خاندان نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے اس عادلانہ طرز عمل کو نہایت ناپسندیدگی کے ساتھ دیکھا اور ان کو مختلف طریقوں سے اس سے روکنا چاہا عمر بن الولید بن عبد الملک نے ان کو ایک نہایت سخت خط لکھا جس کا خلاصہ یہ ہے۔

"تم نے گذشتہ خلفاء پر عیب لگایا ہے، اور ان کی اور ان کی اولاد کی دشمنی سے ان کے مخالف روش اختیار کی ہے، تم نے قریش کی دولت اور انکی میراث کو ظلم و عدوان سے بیت المال میں داخل کر کے قطع رحم کیا ہے اے عبد العزیز کے بیٹے! خدا سے ڈرو اور اس کا خیال کرو کہ تم نے ظلم کیا ہے، تم نے منبر پر بیٹھنے کے ساتھ ہی اپنے خاندان کو ظلم و جور کے لئے مخصوص کر لیا، اس خدا کی قسم جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سی خصوصیات کے ساتھ مختص کیا تم اپنی اس حکومت میں جس کو تم مصیبت کہتے ہو خدا سے بہت دور ہو گئے، اپنی خواہشوں کو روکو، اور یقین کرو کہ تم ایک جبار کے سامنے اور اس کے قبضہ میں ہو اور اس حالت پر چھوڑے نہیں جا سکتے"!

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ اگرچہ سراپا علم تھے، تاہم اس معاملہ میں انھوں نے کسی قسم کی نرمی اختیار نہیں کی اور اس کو نہایت سخت جواب لکھا جس کا ترجمہ یہ ہے:۔

"مجھے تمہارا خط ملا اور جیسا تم نے لکھا ہے میں ویسا ہی جواب دوں گا، تمہاری ابتدائی حالت یہ ہے کہ تمہاری ماں بنانہ سکون کی لونڈی ہے جو حمص کے بازاروں میں ماری ماری پھرتی تھی اور شراب کی دکانوں میں جایا کرتی تھی، اسکو ذبیان نے مسلمانوں کے مال غنیمت سے خریدا اور تمہارے باپ کو ہدیۃً دیا اسی سے تم پیدا ہوئے، تو کس قدر بری ہے تیری ماں اور کس قدر برا ہے بچہ، اس کے بعد تم نشو و نما پا کر ایک معاند اور ظالم ہوئے، تمہارا خیال ہے کہ میں ظالموں میں سے ہوں میں نے تم کو اور تمہارے خاندان کو خدا کے مال سے جس میں اہل قربیٰ، مساکین، اور بیواؤں کا حق ہے محروم کر دیا، لیکن مجھ

سے زیادہ ظالم اور مجھ سے زیادہ خدا کے عہد کو چھوڑ دینے والا وہ شخص ہے جس نے
تم کو بچپن اور سفاہت کی حالت میں مسلمانوں کی ایک چھاونی کا افسر مقرر کیا،
اور تم اپنی رائے کے موافق اُن کے معاملات کا فیصلہ کرتے رہے، اس تقرر
کا بجز محبت پدری کے اور کوئی مقصد نہ تھا، پس پھٹکار ہو تجھ پر اور پھٹکار ہو
تیرے باپ پر، قیامت کے دن تمہارے کس قدر مدعی ہوں گے اور تمہارا
باپ اپنے مدعیوں سے کیونکر نجات پائے گا۔

مجھ سے زیادہ ظالم اور مجھ سے زیادہ خدا کے عہد کو چھوڑنے والا
وہ شخص ہے جس نے حجاج کو عرب کے خمس پر مقرر کیا، جو حرام خون بہاتا تھا
اور حرام مال لیتا تھا،

مجھ سے زیادہ ظالم اور مجھ سے زیادہ خدا کے عہد کا چھوڑنے والا وہ شخص
ہے جس نے قرہ بن شریک جیسے اُجڈ بدو کو مصر کا عامل مقرر کیا جس نے راگ
باجہ، لہو ولعب اور شراب خوری کی اجازت دی،

مجھ سے زیادہ ظالم اور خدا کے عہد کو چھوڑنے والا وہ شخص ہے جس نے
عرب کے خمس میں عالیہ بربریہ کا حصہ مقرر کیا،

اگر مجھے فرصت ہوتی تو میں تجھ کو اور تیرے خاندان کو روشن راستے
پر لاتا، ہم نے مدتوں سے حق کو چھوڑ دیا، اگر تم فروخت کئے جاؤ اور تمہاری
قیمت یتیموں مسکینوں اور بیواؤں پر تقسیم کی جائے تو کافی نہ ہوگی کیونکہ تم
میں سب کا حق ہے، ہم پر سلام ہو، خدا کا سلام ظالموں کو نہیں پہنچتا۔"

ایک بار تمام خاندان نے اُن کی خدمت میں ہشام بن عبدالملک کو اپنا وکیل بنا کر

روانہ کیا، ہشام نے آکر کہا کہ "اے امیرالمؤمنین! میں آپ کی خدمت میں آپ کے تمام
خاندان کی طرف سے قاصد بن کر آیا ہوں، اور اُن کے دل کی بات کہتا ہوں، وہ
لوگ کہتے ہیں کہ آپ اپنی زیر حکومت چیزوں سے متعلق اپنے طریقہ پر عمل کیجئے لیکن
اُن کے قدیم حقوق کو قائم رہنے دیجئے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ" اگر
تمہارے سامنے ایک معاملہ کے متعلق دو دستاویزیں پیش کئے جائیں جن میں ایک
معاویہؓ کا لکھا ہوا ہو اور ایک عبدالملک کا، تو تم دونوں میں سے کس پر عمل کرو گے؟"
ہشام نے کہا "جو مقدم ہوگا اس پر عمل کریں گے" اب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے
فرمایا "تو میں کتاب اللہ کو سب سے مقدم پاتا ہوں، اور میں اسی پر ہر اُس شخص کو اور
ہر اُس چیز کو جو میرے زیر حکومت ہے یا میرے پہلے خلفاء کے زیر حکومت تھی چلانے کی
کوشش کروں گا" اس پر سعید بن خالد بن عمر بن عثمان نے کہا کہ جو چیزیں آپ کے
زیر فرمان ہیں اُن پر حق و انصاف کے ساتھ حکومت کیجئے لیکن گذشتہ خلفاء کی بُرائی یا
بھلائی کو اپنے حال پر رہنے دیجئے، اور یہ آپ کے لئے کافی ہوگا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ " اگر ایک شخص چند چھوٹے بڑے بچے چھوڑ
کر مرجائے اور بڑے لڑکے چھوٹے بچوں کی دولت خود صرف کر ڈالیں اور چھوٹے
بچے تمہارے سامنے اُن کے طرز عمل کی شکایت کریں تو تم کیا کرو گے؟" خالد نے کہا
"میں اُن کے تمام حقوق واپس دلاؤں گا" حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا میرے
نزدیک بہت سے خلفاء اور ان کے اتباع نے لوگوں پر زبردستی کی اور جب میں خلیفہ
ہوا تو لوگوں نے مجھ سے دادرسی چاہی اور میں نے اس کے سوا کوئی تدبیر نہیں دیکھی
کہ قوی سے لے کر ضعیف کو واپس دلاؤں" خالد اس مؤثر تقریر کو سُن کر بول اُٹھا

کہ "خدا امیر المؤمنین کو توفیق دے"۔

ایک بار تمام خاندان کے لوگ اُن کے دروازے پر جمع ہوئے اور اُن کے صاحبزادے عبدالملک سے کہا کہ "یا تو ہمیں باریابی کی اجازت دلواؤ، یا خود ہمارا پیغام امیر المؤمنین تک پہنچاؤ"۔ انھوں نے پیغام پہنچانے پر حامی بھری، تو سب نے کہا کہ ان سے پہلے جو خلفاء تھے وہ ہم کو عطیہ دیتے تھے، اور ہمارے مراتب کا لحاظ رکھتے تھے لیکن تمھارے باپ نے ہم کو بالکل محروم کر دیا، انھوں نے جا کر یہ پیغام سنایا تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ "جا کر کہہ دو کہ میرا باپ کہتا ہے کہ اگر میں اپنے خدا کی نافرمانی کروں تو قیامت کے عذاب سے ڈرتا ہوں"۔

اُن سب نے آخری تدبیر یہ کی کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی پھوپھی کو ان کی خدمت میں بھیجا، وہ آئیں تو کہا کہ "تمھارے قرابت دار شکایت کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ تم نے اُن سے غیر کی دی ہوئی روٹی چھین لی"۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ بولے کہ "میں نے اُن کا کوئی حق نہیں روکا"، وہ بولیں کہ "سب لوگ اس کے متعلق گفتگو کرتے ہیں اور مجھے خوف ہے کہ تمھارے خلاف بغاوت نہ کر دیں"۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ "اگر میں قیامت کے سوا کسی دن سے ڈروں تو خدا مجھے اس کی برائیوں سے نہ بچائے"۔ اس کے بعد ایک اشرفی، گوشت کا ایک ٹکڑا اور ایک انگیٹھی منگوائی، اور اشرفی کو آگ میں ڈال دیا، جب وہ خوب سرخ ہو گئی تو اس کو اٹھا کر گوشت کے ٹکڑے پر رکھ دیا جس سے وہ بھُن گیا، اب پھوپھی کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ "اپنے بھتیجے کے لئے اس قسم کے عذاب سے پناہ نہیں مانگتیں؟"

دوسری روایت میں ہے کہ انھوں نے کہا کہ "اے پھوپھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے لوگوں کو ایک نہر پر چھوڑ دیا، پھر ایک شخص (ابوبکرؓ) اس نہر کا مالک ہوا، جس نے اس میں کسی قسم کا تغیر نہیں کیا، پھر ایک دوسرا شخص (عمرؓ) اس نہر کا مالک ہوا اور اس نے اس سے ایک چھوٹی سی نہر نکالی، اس کے بعد اور لوگوں نے اس سے متعدد نہریں نکالیں یہاں تک کہ اس میں ایک قطرہ پانی نہ رہا اور وہ بالکل خشک ہو گئی، خدا کی قسم اگر میں زندہ رہا تو تمام نہروں کو پاٹ کر پہلی نہر کو جاری کر دوں گا"۔

اگرچہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ پر ان شورشوں اور ان سفارشوں کا کوئی اثر نہیں ہوا، تاہم انھوں نے مختلف اخلاقی طریقوں سے اپنے خاندان کی ناراضی کو کم کیا، ایک بار سلیمان بن عبدالملک کا صاحبزادہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اپنی جاگیر کی واپسی کا مطالبہ کیا اور آستین سے ایک تحریر نکالی جس کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے پڑھ کر کہا کہ یہ زمین کس کی تھی؟ اس نے کہا "حجاج کی" بولے "تو مسلمان اس کے زیادہ مستحق ہیں"۔ اس نے کہا "اے امیر المؤمنین میری دستاویز کو واپس دیجئے"۔ بولے کہ "اگر تم خود اس کو نہ لائے ہوتے تو میں اس کو تم سے نہ مانگتا، لیکن اب جب کہ تم خود اس کو لائے تو میں تم کو اجازت نہ دوں گا کہ بطریق باطل اس کے ذریعہ سے مطالبہ کرو"، وہ یہ سن کر رو پڑا۔

ایک دن چند مروانیوں کو اپنے یہاں روک رکھا اور باورچی سے کہہ دیا کہ کھانا تیار کرنے میں جلدی نہ کرنا، دن چڑھ گیا تو یہ لوگ بھوک سے بے تاب ہو گئے، اور باورچی سے کھانے کا تقاضا کیا، اُس نے اُن کو ستو اور کھجوریں کھلائیں، جب وہ لوگ ان چیزوں سے پیٹ بھر کر کھا چکے تو باورچی کھانا لایا، لیکن ان لوگوں نے کھانے سے انکار کیا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بار بار اصرار کیا، لیکن ان لوگوں نے کہا کہ اب ہم کھا ہی نہیں سکتے

اس پر حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے کہا تو پھر آگ میں کیوں گھستے ہو یعنی جب اس قدر سادہ غذا انسان کے لئے کافی ہوسکتی ہے تو وہ پیٹ بھرنے کے لئے ناجائز ذریعہ معاش کیوں اختیار کرتا ہے، یہ کہہ کر خود روئے اور لوگوں کو بھی رُلایا[1]

[1] یہ تمام واقعات سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؓ کے بیسویں باب میں مذکور ہیں بعض واقعات طبقات ابن سعد میں بھی ہیں۔

غزوات و فتوحات

حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ اگرچہ اسلام کی تاریخ میں بحیثیت ایک فاتح کے مشہور نہیں ہیں تاہم اُن کا عہدِ حکومت فوجی ہنگامہ آرائیوں سے بالکل خالی نہیں ہے اُن کے زمانے میں جو لڑائیاں پیش آئیں اُن کا سلسلہ اُن کی خلافت کے ساتھ شروع ہوا اور ان کی وفات تک قائم رہا، روم کو سلیمان بن عبدالملک کے زمانہ میں جو فوج بھیجی گئی تھی وہ رسد کی کمی سے سخت مصیبت میں مبتلا تھی، حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے خلیفہ ہوتے کے ساتھ ہی اس فاقہ مست فوج کی طرف نہایت مستعدی کے ساتھ توجہ کی، پانچسو عمدہ گھوڑے اور کافی غلّہ روانہ کیا، اور تمام مسلمانوں کو فوجی اعانت کی طرف توجہ دلائی اور مسلمہ بن عبدالملک کو تمام فوج کے ساتھ واپس بلالیا۔[1]

اسی سال ترکوں نے آذربائیجان پر حملہ کیا اور بہت سے مسلمانوں کو قتل اور بہت سے مسلمانوں کو گرفتار کرلیا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس فتنہ کے انسداد کے لئے ابن حاتم ابن النعمان الباہلی کو روانہ کیا، انھوں نے جاکر ان کی جماعت کے اکثر

[1] طبری ص ۱۳۴۶ و سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؓ

افراد کو تہ تیغ کر دیا، اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی خدمت میں پچاس آدمیوں کو قید
کر کے روانہ کیا[1]

مغربی مہم یعنی اندلس وغیرہ کی طرف انھوں نے جو فوجیں روانہ کیں اُن کے لئے
نہایت کثرت سے ساز و سامان مہیا کئے، چنانچہ ایک افسر فوج کو لکھا کہ "جب مغربی
مہم پیش آئے تو کسی شخص کو وہاں جانے کی اس وقت تک اجازت نہ دو، جب تک
وہ جماعت ساز و سامان اور پیادہ و سوار سپاہیوں کی پشت پناہی سے قوت کا
کافی سرمایہ فراہم نہ کر لے، تاکہ واپس آئیں تو سب صحیح و سلامت واپس آئیں، اور
ہلاک ہوں تو سب ہوں[2]

ہندوستان میں خلفائے بنو امیہ کی فوجی ہنگامہ آرائی حضرت عمر بن عبد العزیزؒ
کے دورِ حکومت سے بہت پہلے شروع ہو گئی تھی، اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے بھی ان
فتوحات کی حدود میں کسی قدر اضافہ کیا، چنانچہ عمر بن مسلم الباہلی نے جو ہندوستان میں
حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا عامل تھا، ہندوستان کے بعض حصوں پر فوج کشی کی،
اور فتوحات حاصل کیں[3]

یہ وہ لڑائیاں ہیں جو غیر قوموں کے مقابلہ میں پیش آئیں، لیکن ۱۰۰ھ میں عرا[ق]
میں فرقہ حروریہ نے خروج کیا، چونکہ یہ مسلمانوں کا ... مسلمانوں کے ساتھ تھا اس
لئے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کو خبر ہوئی تو ا[نھوں نے عام]ل عبد الحمید کو لکھا، کہ
جب تک یہ لوگ خون ریزی اور فتنہ و فسا[د] ... [ا]ن کا تعرض نہ کیا

[1] طبری ص ۱۳۴۶ [2] طبقات ص ۲۶۱، ۲۶۲
[3] فتوح البلدان ص ۴۴۷

جائے۔ ایک مستقل مزاج اور دور اندیش آدمی کے ساتھ فوج بھیجدی جائے اور میرا یہ حکم سُنا
دیا جائے۔" عبد الحمید نے محمد بن جریر بن عبد اللہ البجلی کو دو ہزار سپاہیوں کے ساتھ حضرت عمر
بن عبد العزیزؒ کا حکم سُنا کر روانہ کر دیا، اس کے ساتھ خود حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے
بسطام کو جو خوارج کا سردار تھا، ایک خط لکھا جس میں اس کو ان الفاظ میں دعوت اصلاح
دی اور اس کے خروج کا سبب پوچھا۔

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے خدا اور خدا کے رسول کی حمایت میں خروج کیا
ہے لیکن تم کو اس کا مجھ سے زیادہ حق نہیں ہے، آؤ ہم اور تم باہم مناظرہ کر لیں
اگر ہم حق پر ہوں تو تم تمام لوگوں کی طرح حلقۂ اطاعت میں داخل ہو جاؤ اور
اگر تم حق پر ہو تو ہم اپنے معاملہ پر غور کریں گے۔"

بسطام نے اس خط کے جواب میں لکھا کہ "آپ نے جو کچھ کیا اقتضائے انصاف یہی
تھا، میں آپ کی خدمت میں دو شخص بھیجتا ہوں جو آپ سے مناظرہ کریں گے"، چنانچہ
یہ دونوں شخص آئے اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ سے سوال کیا کہ آپ نے اپنے بعد
[یز]ید کو کیوں خلیفہ مقرر کیا؟ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے جواب دیا کہ "اس کو دوسرے
[...]نے بنایا ہے"، اُس نے کہا کہ "اگر کسی دوسرے کا مال آپ کی ولایت میں آئے
[...]ں کو ایک غیر متد[ین] ... حوالے کر دیں تو کیا آپ نے حق امانت ادا
[...] بن عبد العز[یز] ... جواب کے لئے تین دن کی مہلت مانگی
[...] کے پاس
[...]ئد ہیں ... [...]بن عتبہ سے روایت ہے کہ "مجھ کو

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے خوارج کے مقابلہ کے لئے بھیجا، میں نے اُن سے پوچھا کہ عمر بن عبد العزیزؒ پر تمھارا کیا اعتراض ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم کو اُن پر صرف یہ اعتراض ہے کہ وہ اپنے خاندان کے گذشتہ خلفاء پر لعنت نہیں بھیجتے، اور یہ اُن کی کمزوری ہے۔[1]

سیرۃ عمر بن عبد العزیزؒ میں اس کی تفصیل اس طرح لکھی ہے کہ یحییٰ غسانی نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کو اطلاع دی کہ موصل کے اطراف میں حروریہ فرقہ کے چند لوگ جمع ہوئے ہیں، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ان کو لکھا کہ ان میں سے چند مناظر ڈاک کی سواریوں پر بھیج دیئے جائیں، انھوں نے اس قسم کے چند اشخاص بھیجے، اور لوگوں نے آکر کہا کہ "جب تک آپ اپنے خاندان والوں کی تکفیر نہ کریں، ان پر لعنت نہ بھیجیں، اُن سے بدتری نہ کریں ہم آپ کی اطاعت نہیں کر سکتے" حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے فرمایا کہ خدا نے مجھ کو لعنت بھیجنے کے لئے نہیں پیدا کیا، البتہ اگر ہم اور تم زندہ رہے تو میں تم کو اور اپنے خاندان کو راہِ راست پر لاؤں گا، لیکن جب انھوں نے اس کو تسلیم نہیں کیا تو عمر بن عبد العزیزؒ نے فرمایا تمھارے مذہب میں سچ کے سوا کسی اور چیز کی گنجائش نہیں ہے، بتاؤ تم نے کب سے یہ مذہب اختیار کیا ہے، انھوں نے سالوں کی تعداد بتائی، بولے تو کیا تم نے فرعون پر لعنت بھیجی؟ اور اس سے تبری کی؟ انھوں نے کہا "نہیں" حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے کہا تو تم نے اس کو کیونکر چھوڑ دیا؟ میرے خاندان میں تو میرے پہلے ہر قسم کے بُرے بھلے لوگ تھے تو کیا اُن سے میرے لئے چشم پوشی کرنا جائز نہ تھا، اس بحث و مباحثہ کے بعد ان کو ایک خط لکھا جس میں ان الفاظ میں دعوتِ اصلاح دی۔ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:

ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن۔

اپنے خدا کے راستہ کی طرف لوگوں کو حکمت اور موعظت حسنہ کے ساتھ دعوت دو اور ان سے بہتر طریقہ سے مباحثہ کرو۔

[1] سیرۃ عمر بن عبد العزیزؒ ص ۷۷، ۷۸

اور میں تمھیں خدا کو یاد دلاتا ہوں کہ تم اپنے اُن بزرگوں کے سے کام کرو جو اپنے ملکوں سے شیخیاں مارتے ہوئے اور لوگوں کے سامنے اپنی نمائش کرتے ہوئے نکلے، وہ لوگ خدا کی راہ سے روکتے تھے، اور جو کچھ وہ لوگ کرتے تھے خدا اُن پر حاوی تھا، کیا تم میرے گناہ کی وجہ سے اپنے دین سے نکل رہے ہو، خونریزی کرتے ہو اور محرمات کی ہتک کرتے ہو؟ اگر ابوبکرؓ اور عمرؓ کے گناہ اُن کی رعایا کو اُن کے دین سے خروج کرنے پر آمادہ کرتے تو ان کے بھی گناہ تھے لیکن تمھارے آبا و اجداد اُن کی جماعت میں تھے اور وہ اُن سے نہیں نکلے، پھر تم جو چالیس پچاس آدمی ہو کیوں مسلمانوں کے مقابل میں خروج کرتے ہو؟ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر تم لوگ میری اولاد ہوتے اور میں جس امر کی طرف دعوت دیتا ہوں اس سے روگردانی کرتے تو میں خالصۃً لوجہ اللہ تمھارا خون بہاتا، یہ میری نصیحت ہے اگر اس پر بھی تم نے ظلم کیا تو نصیحت کرنے والوں پر ہمیشہ ظلم کیا گیا ہے۔"

اس کے ساتھ اپنے عامل کو لکھا کہ "اگر وہ کسی ذمی یا مسلمان سے تعرض کئے بغیر ممالک محروسہ میں پھرتے رہیں تو ان کو اختیار ہے کہ جہاں چاہیں جائیں لیکن اگر انھوں نے کسی ذمی یا مسلمان کے جان و مال سے تعرض کیا تو اُن کے معاملہ کا فیصلہ خدا سے چاہو، لیکن خوارج پر اس بحث و مباحثہ کا اور وعظ و پند کا کچھ اثر نہ ہوا، انھوں نے لوگوں کے مال و دولت پر دستِ تطاول دراز کیا، اور ڈاکے ڈالے، اب حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے حسب ذیل پابندیوں کے ساتھ جنگ کرنے کی اجازت دی۔

[1] سیرۃ عمر بن عبد العزیزؒ ص ۷۷، ۷۸

۱۔ عورت، بچے، قیدی قتل نہ کئے جائیں اور بھاگنے والوں اور زخمیوں کا تعاقب نہ کیا جائے۔[1]

۲۔ فتح کے بعد جو مال غنیمت ہاتھ آئے، وہ ان کے اہل وعیال کو واپس دیدیا جائے۔

۳۔ قیدی اس وقت تک مقید رکھے جائیں جب تک وہ راہِ راست پر نہ آجائیں۔

ان پابندیوں کے ساتھ عبدالحمید نے اُن پر حملہ کیا، اور سوئے اتفاق سے شکست کھائی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو شکست کا حال معلوم ہوا تو مسلمہ بن عبدالملک کی سپہ سالاری میں اہلِ شام کی ایک فوج مرتب کرکے بھیجی اور مسلمہ نے چند ہی دنوں میں اُن پر غلبہ حاصل کرلیا۔[2]

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے کارنامہائے جنگ میں بحری لڑائیوں کا مطلق پتہ نہیں چلتا، بلکہ زرقانی میں ہے کہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ سے بحری لڑائیوں کا جو سلسلہ شروع ہو کر برابر قائم رہا اس کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بالکل روک دیا، لیکن علامہ ابن عبدالبر نے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بحری تجارت کی روک ٹوک کی تھی، جہاد اور حج کے لئے وہ اس کی ممانعت نہیں کرسکتے تھے[3] بہرحال حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا بحری کارنامہ صرف یہ ہے کہ جب رومیوں نے ۱۰۰ھ میں لاذقیہ کے ساحل پر حملہ کرکے شہر کو برباد کردیا اور باشندوں کو گرفتار کرکے لے گئے تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے شہر کی آبادی اور ساحل کی قلعہ بندی کا حکم دیا اور قیدیوں کی رہائی کے لئے فدیہ بھیجا لیکن ۱۰۱ھ میں اُن کا انتقال ہوگیا، اور یزید بن عبدالملک نے اس کام کو پورا کیا لیکن دوسری روایت میں ہے کہ شہر کی تعمیر اور قلعہ بندی کا کام خود حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ہی کے عہد میں مکمل ہوگیا تھا۔[4]

۱؎ سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۸۰، ۲؎ طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۲۷۴

۳؎ زرقانی شرح مؤطا جلد ۲ ص ۳۲۲ ۴؎ فتوح البلدان ص ۱۳۹

عمّال کی معزولی

بنو امیہ کی جابرانہ حکومت کا اثر صرف انہی تک محدود نہ تھا، بلکہ اُن سے زیادہ اُن کے عمال رعایا کی خون آشامی کے خوگر ہوگئے تھے، اس لئے جب تک اس قسم کے عمال کو عبرت انگیز طریقے سے معزول نہ کیا جاتا وہ نظامِ سلطنت قائم نہ ہوسکتا جس کا سنگِ بنیاد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ عدل وانصاف کی سطح پر رکھنا چاہتے تھے، اس لئے انھوں نے اموالِ مغصوبہ کی واپسی کے بعد اس قسم کے اجزاء کو اس عادلانہ نظامِ حکومت کی ترکیب سے الگ کرنا چاہا اور اس سلسلہ میں سب سے پہلے یزید بن مہلب کو معزول کیا، یزید بن مہلب کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ابتداء ہی سے ناپسند فرماتے تھے، اور یزید بھی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو ریاکار خیال کرتا تھا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ ہوئے تو انھوں نے ۱۰۰ھ میں اس کو لکھا کہ "تم کسی کو اپنی گورنری پر مامور کرکے چلے آؤ"۔ یزید اس حکم کے مطابق اپنے لڑکے مخلد کو اپنا قائم مقام کرکے مع کل سازوسامان کے خراسان[1]

۱؎ یعقوبی میں ہے کہ وہ کل سازوسامان لے کر روانہ ہوا تھا کہ اس کو خراسان والوں پر اطمینان نہ تھا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خود اہلِ خراسان اس سے برگشتہ تھے۔

سے واسط آیا اور واسط سے کشتی میں سوار ہو کر بصرہ کی طرف روانہ ہوا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے عدی بن ارطاۃ کے نام اس کی گرفتاری کا فرمان پہلے ہی بھیج دیا چنانچہ عدی نے موسیٰ بن الوجیۃ الحمیری کو اس کی گرفتاری کے لئے روانہ کیا، اور اس نے نہر معقل میں بصرہ کے پل کے پاس اس کو گرفتار کیا، اور وہاں سے عدی نے اس کو پابزنجیر دارالخلافت کی طرف روانہ کیا، یزید حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے سامنے پیش کیا گیا تو انھوں نے کہا کہ مجھے سلیمان بن عبدالملک کے نام تمہارا ایک خط ملا ہے جس میں تم نے لکھا ہے کہ دو کروڑ کی رقم جمع ہوئی ہے، اب وہ رقم کہاں ہے؟ اس نے پہلے تو انکار کیا، لیکن پھر کہا کہ "مجھے اجازت دیجئے کہ میں لوگوں سے لے کر یہ رقم واپس کر دوں" حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ ایک بار تو لے چکے، اب پھر دوبارہ انہی سے لینا چاہتے ہو؟" یہ یعقوبی کی روایت ہے[1]، لیکن تاریخ طبری میں ہے کہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے اس سے رقم کا مطالبہ کیا تو اس نے کہا کہ "سلیمان کے دربار میں مجھے جو درجہ حاصل تھا، آپ کو معلوم ہے میں نے سلیمان کو اس رقم کی اطلاع اس غرض سے دی تھی کہ لوگوں کو اس کا حال معلوم ہو جائے، کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ سلیمان مجھ سے اس کا مطالبہ نہ کریگا" لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے فرمایا کہ "خدا سے ڈرو اور اپنی امانت ادا کرو، یہ مسلمانوں کے حقوق ہیں اور میں ان کو فروگذاشت نہیں کر سکتا" یہ کہہ کر اس کو قید خانہ میں بھیجدیا[2]، اور جراح بن عبداللہ الحکمی کو خراسان کا گورنر مقرر کر کے روانہ کیا۔

تاریخ یعقوبی میں ہے کہ جب جراح کو خراسان کا گورنر مقرر کر کے روانہ کیا تو یہ حکم دیا کہ مخلد کو پابند سلاسل (لیکن اس طرح کہ بیڑیاں نماز کے ادا کرنے میں خلل انداز نہ ہوں)

[1] یعقوبی جلد دوم مطبوعہ یورپ صـ۳۶۲ [2] طبری صـ۱۳۵

کر کے دربار خلافت میں روانہ کرو، جراح نے اس کو نہایت عزت کے ساتھ گرفتار کر کے روانہ کیا، وہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو سر پر سفید ٹوپی تھی، اور دامن زمین یا گھٹنوں سے اونچے تھے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ ہم تک جو خبریں پہنچی ہیں تمہاری وضع اس کے خلاف نظر آتی ہے" مخلد نے کہا "ہم تو خلفاء کے مقلد ہیں، اگر تمہارے دامن دراز ہوں گے تو ہم بھی دامن لٹکائیں گے، اگر تم دامن کو اونچا رکھو گے تو ہم بھی اس کو اونچا رکھیں گے"[1]

لیکن تاریخ طبری میں ہے کہ جب جراح خراسان پہنچے تو مخلد وہاں سے روانہ ہوا، اور جس ضلع سے گذرا وہاں کے لوگوں کو نہایت فیاضی کے ساتھ روپے دیئے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حمد و نعت کے بعد عرض کی، خدا نے آپکو خلیفہ بنا کر تمام اُمت پر احسان کیا، صرف ہم لوگ آپ کی وجہ سے مبتلائے مصیبت ہوئے، ہم کو آپ کی خلافت میں گرفتار مصائب نہ ہونا چاہیئے، آپ نے اس بڈھے (یزید) کو کیوں قید کیا ہے، اس پر جو مطالبہ عائد ہوتا ہے میں ادا کرتا ہوں، آپ مجھ سے مصالحت کیجیے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے فرمایا کہ جب تک تم کل مطالبہ ادا نہ کرو گے صلح نہیں ہو سکتی، اس نے کہا "اگر آپ کے پاس شہادت ہو تو اس کے مطابق عمل فرمائیے، اور اگر شہادت نہ ہو تو یزید کو سچا مانیئے، ورنہ اس سے حلف لیجیے، اگر وہ حلف لینے سے انکار کرے تو اس سے صلح کیجیے" حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے فرمایا میں کُل رقم لینے کے سوا کوئی صورت نہیں پاتا، اس گفتگو کے بعد مخلد واپس آیا، اور چند ہی دنوں کے بعد مر گیا، اب یزید نے اس رقم میں سے ایک حبہ کے ادا کرنے سے بھی انکار کیا، اس لئے حضرت عمر بن

[1] یعقوبی جلد ۲ ص ۳۶۲

عبدالعزیز رضؒ نے اُس کو اُون کا ایک جبتہ پہنا کر اونٹ پر سوار کرایا، اور دھلک کی طرف جلاوطن کر دیا، یزید جب اس حالت میں لوگوں کے سامنے سے گذرا تو بولا، کیا کوئی میرا قبیلہ نہیں ہے؟ مجھے کیوں دھلک کی طرف جلاوطن کیا جا رہا ہے؟ وہاں تو فاسق، نجاست گر، اور مشتبہ لوگ بھیجے جاتے ہیں، سبحان اللہ! کیا کوئی میرا قبیلہ نہیں ہے؟ یزید کی قوم پران محرضانہ الفاظ کا اثر پڑا، اور وہ نہایت برہم ہوئی، سلامہ بن نعیم الخولانی کو اس کا حال معلوم ہوا، تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رضؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ یزید کی قوم سخت برہم ہے، اگر آپ نے یزید کو روانہ کیا تو وہ اس کو راستہ ہی میں چھین لے گی، اس لئے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضؒ نے اس کو قید خانہ میں واپس بلا لیا[1] اور وہ ان کے مرض الموت کے زمانہ تک قید رہا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضؒ مرض الموت میں بیمار ہوئے، تو یزید بن مہلب کو ایک اور خواب پریشان نظر آیا، یزید نے آل ابی عقیل پر جو یزید بن عبدالملک کے رشتہ دار تھے مظالم کئے تھے جس کی پاداش میں یزید بن عبدالملک نے قسم کھائی تھی کہ اگر موقع ملا تو یزید کے چمڑے کو کاٹ کر جوتے کا تلا بناؤں گا، اب یزید کو نظر آیا کہ حضرت عمر بن العزیز رضؒ کے بعد وہی خلیفہ ہوگا، اور اس کو اپنی قسم کے پورا کرنے میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے گی اس لئے اُس نے قید خانہ سے بھاگنے کی تدبیر کی، اور اپنے غلاموں یا چچازاد بھائیوں (موالی) کو کہلا بھیجا کہ اس مقصد کے لئے سواریاں تیار رکھیں، حضرت عمر بن عبدالعزیز رضؒ زیادہ بیمار ہوئے تو اس نے اونٹ طلب کئے اور قید خانہ سے نکل بھاگا، اجتماع کیلئے ایک مقام پہلے سے متعین کر لیا گیا تھا، یزید وہاں پہنچا تو اُن لوگوں سے ملاقات نہیں ہوئی اس لئے

---

[1] تاریخ طبری ص ۱۳۵۹

اُس کے رفقا سخت پریشان ہوئے، یزید نے اُن کی پریشانی دیکھی تو کہا "کیا میں پھر قید خانہ میں واپس جاؤں؟ خدا کی قسم میں ایسا نہیں کر سکتا"، چنانچہ وہاں سے پھر اپنی بی بی کو ساتھ سوار کر کے روانہ ہوا، اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضؒ کو ایک خط لکھا کہ "اگر آپ کی زندگی کا یقین ہوتا تو خدا کی قسم نہ بھاگتا، لیکن مجھے یزید بن عبدالملک پر اعتماد نہ تھا"، حضرت عمر بن عبدالعزیز رضؒ نے خط پڑھا تو بولے کہ خدایا اگر یزید اس امت کے ساتھ بُرائی کرنا چاہتا ہے تو اُس کو اس کے شر سے بچا، اور اس کے فریب کو اس کی طرف لوٹا دے، یزید بن مہلب بھاگتا ہوا حدث زقاق میں پہنچا، جہاں ہذیل بن زفر قبیلہ قیس کی ایک جماعت کے ساتھ موجود تھا، ان لوگوں نے یزید کا تعاقب کیا اور اس کا کچھ اسباب لوٹ لیا اور چند غلام گرفتار کر لئے۔

یزید کے بعد جراح ایک سال پانچ ماہ تک خراسان کا گورنر رہا لیکن اس کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز رضؒ نے اس کو بھی معزول کر دیا، جس کا سبب یہ ہوا کہ یزید بن مہلب نے اپنے زمانہ گورنری میں جہم بن زحر کو جرجان کا والی مقرر کیا تھا، لیکن جب یزید گرفتار ہوا تو عراق کے عامل نے جہم کی جگہ ایک دوسرے شخص کو وہاں کا عامل مقرر کر کے بھیجا، جب وہ دہاں پہنچا تو جہم نے اس کو مع رفقاء کے قید کر لیا اور خود پچاس آدمیوں کے ساتھ خراسان روانہ ہوا، جراح سے ملاقات ہوئی تو اس نے کہا کہ اگر تو میرا چچازاد بھائی نہ ہوتا تو میں تیری اس حرکت کو گوارا نہ کرتا، جہم نے کہا "اگر یہ قرابت نہ ہوتی تو میں تمہارے پاس نہ آتا"، اب جراح نے اس کو اس گناہ کے کفارہ کے لئے ایک لڑائی میں بھیجدیا، جہاں سے وہ کامیاب آیا، جراح نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضؒ کو اس کامیابی کی اطلاع دی، اور تین شخصوں کا وفد بنا کر بھیجا جن میں دو عرب اور ایک مولیٰ

تھا، وفد دربارِ خلافت میں حاضر ہوا، تو دونوں عرب نے گفتگو کی، اور مولیٰ خاموش رہا، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اس سے کہا کہ تم بھی تو وفد میں ہو، آخر کیوں نہیں بولتے؟ اب اس نے موقع پاکر کہا کہ یا امیر المؤمنین ۲۰ ہزار موالی جہاد کرتے ہیں اور ان کو وظیفہ نہیں ملتا، اور اسی قدر ذمّی مسلمان ہو گئے ہیں، اور اب تک اُن سے خراج لیا جاتا ہے ہمارا امیر ظالم اور متعصب ہے، منبر پر کھڑے ہو کر کہتا ہے کہ میں مہربان ہو کر آیا تھا اور اب میں عصبی ہوں، میری قوم کا ایک آدمی دوسری قوم کے سیکڑوں آدمیوں سے زیادہ مجھ کو محبوب ہے، اس کے ظلم کی انتہا یہ ہے کہ اس کے کرتے کی آستین اس کے نصف کمر تک پہنچتی ہے، اب تک حجاج کی ایک تلوار ہے اور ظلم وعدوان پر عمل کرتا ہے" حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نہایت خوش ہوئے اور فرمایا کہ "وفد میں ایسے ہی شخص کو آنا چاہیئے" اور جراح کو اسی وقت لکھا کہ "جو لوگ قبلہ رُخ نماز پڑھتے ہیں اُن کا جزیہ معاف کر دو"۔

اس حکم کا اعلان ہوا تو اس کثرت سے لوگ اسلام لائے کہ لوگوں نے جراح سے کہا کہ "لوگ صرف جزیہ کی ناگواری سے اسلام لا رہے ہیں اُن کی ختنہ کرو تو آزمائش ہو سکے گی" جراح نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کو اس کی اطلاع دی تو انھوں نے لکھا کہ "خدا نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو داعی بنا کر بھیجا تھا نہ کہ ختان"، اس کے بعد لوگوں سے کہا کہ "ایک ایسے شخص کا نام بتاؤ جس سے میں خراسان کے حالات دریافت کروں" لوگوں نے ابو مجلز کا نام بتایا، اب حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے جراح کو لکھا کہ ابو مجلز کو ساتھ لے کر فوراً چلے آؤ، جراح عبد الرحمٰن بن نعیم غامدی کو صیغۂ جنگ کا اور عبد اللہ بن حبیب کو صیغۂ خراج کا افسر مقرر کر کے رمضان سنہ ۱۰۰ھ میں روانہ ہوا، دربارِ خلافت میں حاضر ہوا تو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے پوچھا کہ وہاں سے کب روانہ ہوئے؟ بولا "رمضان میں"۔ فرمایا

کہ جس نے تم کو ظالم کہا بالکل سچ کہا، رمضان گذار کر کیوں نہیں آئے؟ جراح روانہ ہوا تھا تو بیت المال سے ۲۰ ہزار کی رقم بطور قرض لے لی تھی، اس لئے اُس نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ سے درخواست کی، کہ اُس کو ادا فرما دیجئے، بولے "اگر رمضان کے بعد آتے تو میں ادا کر دیتا"، آخر کار اس کی قوم کے لوگوں نے اپنے وظائف سے یہ رقم ادا کر دی۔

اس شکایت کے علاوہ جراح کے ظلم وعدوان کے ثبوت میں حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے نزدیک اور قرائن بھی جمع ہو گئے، جراح جب اوّل اوّل خراسان میں آیا تھا تو اس نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی خدمت میں لکھا تھا کہ "یہاں کچھ لوگ ہیں جو فتنہ وفساد کر کے حقوق اللہ کو روکنا چاہتے ہیں، اُن کو اس تلوار اور کوڑے کے سوا کوئی چیز نہیں روک سکتی لیکن آپ کی اجازت کے بغیر میں اس کی جرأت نہیں کر سکتا"، اس کے جواب میں حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے لکھا کہ "تم اُن سے زیادہ فتنہ وفساد پھیلانا چاہتے ہو، کسی مسلمان یا ذمی کو بغیر استحقاق کے ایک کوڑا بھی نہ مارو"

ان اسباب سے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے جراح کو خراسان کی گورنری سے معزول کر دیا، اور عبد الرحمٰن بن نعیم کو صیغۂ جنگ اور عبد الرحمٰن قشیری کو صیغۂ خراج کا افسر مقرر کیا[1]

---

[1] طبری ص ۱۳۵۳ تا ص ۱۳۵۶

وفات

اوپر گذر چکا ہے کہ بنو امیہ نے غاصبانہ طور پر مسلمانوں کی جو جائدادیں اپنے قبضہ میں کرلی تھیں، اُن کو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے سریر آرائے خلافت ہونے کے ساتھ ہی نہایت سختی کے ساتھ واپس کردیا، جس نے اُن کے تمام خاندان میں عام برہمی پھیلادی، لیکن یہ ناراضی صرف زبان و قلم تک محدود نہیں رہی، بلکہ اس نے ایک خطرناک سازش کی صورت اختیار کرلی، اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی وفات اسی سازش کا نتیجہ ہے۔

ابتدائے مرض میں عام خیال تھا کہ اُن پر جادو کیا گیا ہے، لیکن خود حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کو اصلی راز معلوم ہوگیا تھا، چنانچہ انھوں نے ایک بار مجاہد سے پوچھا کہ میری نسبت لوگوں کا خیال ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ "لوگ آپ کو مسحور سمجھتے ہیں" بولے میں مسحور نہیں ہوں، مجھے وہ وقت یاد ہے جس میں مجھے زہر دیا گیا ہے" اس کے بعد ایک غلام کو بُلا کر پوچھا کہ تم مجھے زہر دینے پر کیوں آمادہ ہوئے؟ اُس نے کہا "مجھے ہزار دینار دے کر آزاد کرنے کا وعدہ کیا گیا تھا" حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے وہ دینار منگوا کر بیت المال میں داخل کرادیئے، اور اس سے کہہ دیا کہ "تم ایسی جگہ چلے جاؤ جہاں تم کو کوئی نہ دیکھ سکے[1]" طبیب آیا تو اُس نے بھی یہی تجویز کی اور علاج کی طرف توجہ دلائی

[1] تاریخ الخلفاء ص ۲۴۷

لیکن انھوں نے علاج کرنے سے انکار کردیا[1]

۲۰ دن تک بیمار رہے اور ۲۵ رجب ۱۰۱ھ روز چہار شنبہ کو ۳۹ سال کی عمر میں[2] بمقام دیر سمعان انتقال کیا، اور وہیں دفن کئے گئے۔

اُن کی وفات کے واقعات نہایت مؤثر ہیں، اُن کی بی بی فاطمہ سے روایت ہے کہ ایک دن میں نے اُن سے کہا کہ "میں آپ کے یہاں سے چلی جاؤں، آپ سوئے نہیں ہیں، شاید آپ کو نیند آجائے، یہ کہہ کر میں دوسرے کمرے میں چلی گئی، وہاں میں نے سُنا کہ بار بار اس آیت کی تلاوت کر رہے ہیں۔

تلك الدار الآخرة نجعلها	یہ آخرت کا گھر ہے ہم ان لوگوں کے لئے بناتے
للذين لا يريدون علواً في	ہیں جو زمین میں نہ تفوق چاہتے ہیں نہ فساد
الأرض ولا فساداً والعاقبة	کرتے ہیں اور عاقبت صرف پرہیزگاروں
للمتقين۔	کے لئے ہیں۔

اس کے بعد گردن جھکالی اور دیر تک مجھے کسی قسم کی حرکت محسوس نہیں ہوئی، جو خادم تیمارداری کرتا تھا میں نے اس سے کہا جا کر دیکھ تو سہی، اُس نے جا کر دیکھا تو زور سے چلایا، میں نے جا کر دیکھا تو اُن کو مردہ پایا، رُخ قبلہ کی طرف تھا، ایک ہاتھ منھ پر اور دوسرا آنکھوں پر رکھے ہوئے تھے، دوسری روایت میں ہے کہ جب نزع کا وقت آیا تو انھوں نے کہا کہ "سب نکل جائیں، اور میرے پاس کوئی نہ رہنے پائے" سب نکل آئے اور دروازہ پر مسلمہ بن عبد الملک اور اُن کی بی بی فاطمہ بیٹھی رہیں، اُن لوگوں کے کان میں یہ آواز آئی

[1] سیرۃ عمر بن عبد العزیزؒ ص ۲۷۷ [2] بعض روایتوں میں تاریخ وفات ۲۰ رجب اور عمر ۴۰ سال بیان کی گئی ہے اور بعض روایتوں میں تاریخ وفات ۲۴ رجب ہے۔

کیا مبارک چہرے ہیں جو نہ آدمیوں کے ہیں نہ جنوں کے" اس کے بعد متذکرہ بالا آیت پڑھ کر خاموش ہو رہے، مسلمہ نے فاطمہ سے کہا کہ انتقال ہو گیا، جا کر دیکھا تو واقعی انتقال ہو چکا تھا[1]

مرض الموت میں لوگوں نے مشورہ دیا تھا کہ اگر آپ مدینہ میں جا کر وفات پاتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے ساتھ دفن ہوتے، اُس مدفن پاک میں ایک قبر کی جگہ اور ہے، بولے خدا کی قسم آگ کے سوا اگر خداوند تعالیٰ مجھے ہر قسم کے عذاب دے تو میں اس کو بخوشی برداشت کروں گا، لیکن یہ گوارا نہیں ہے کہ خدا کو یہ معلوم ہو کہ میں اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن ہونے کے قابل سمجھتا ہوں"، لیکن انھوں نے اس بنا پر ایک عیسائی سے خود ہی اپنی قبر کی زمین خریدنی چاہی، عیسائی نے کہا "یہ تو میرے لئے خیر و برکت کا سبب ہوگا، میں آپ کو یہ زمین یوں ہی دیتا ہوں" لیکن انھوں نے اس کو گوارا نہیں کیا، اور زمین کو بقیمت خریدا[2]

رجاء بن حیوۃ کو وصیت کی تھی کہ وہی غسل دیں، وہی کفن پہنائیں اور وُہی قبر میں اُتاریں، لونڈی کو وصیت کی تھی کہ حنوط میں مشک نہ ملائے، اور قبر کو اینٹ سے بنانے کی ممانعت کی تھی، کفن کے لئے خود ہی پانچ کپڑے متعین کر دیئے تھے اور کہہ دیا تھا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے خاندان کے مُردوں کو اسی طرح کفناتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند بال اور چند ناخن منگوا کر کفن میں رکھنے کی ہدایت فرمائی تھی[3] یزید بن عبدالملک کے لئے ایک وصیت نامہ لکھا تھا جس کے الفاظ یہ ہیں:-

---

[1] سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۲۸۴، ۲۸۵ [2] ایضاً ص ۲۸۲، ۲۸۳ [3] طبقات بن سعد تذکرہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۳۰ و سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۲۸۲

"میں تم کو یہ لکھتا ہوں اور میں مرض سے لاغر ہو رہا ہوں، تم کو معلوم ہے کہ امورِ خلافت کے متعلق مجھ سے سوال کیا جائے گا، اور خدا مجھ سے اس کا حساب لے گا اور میں اس سے اپنا کوئی کام نہ چھپا سکوں گا، خدا خود کہتا ہے،

فلنقصن علیهم بعلم وما كنا غائبين — ہم اُن کو علم سے قصہ سناتے ہیں اور ہم غیر حاضر نہ تھے۔

اگر خدا مجھ سے راضی ہو گیا تو میں کامیاب ہوا، اور ایک طویل عذاب سے نجات پائی، اور مجھ سے ناراض ہوا تو افسوس ہے میرے انجام پر، میں اس خدا سے جس کے سوا کوئی خدا نہیں، دعا کرتا ہوں کہ مجھے اپنی رحمت سے آگ سے نجات دے اور اپنی رضامندی سے جنت عطا کرے، تم کو تقویٰ اختیار کرنا چاہیئے، اور رعایا کا خیال رکھنا چاہیئے، کیونکہ میرے بعد تم صرف تھوڑے دنوں زندہ رہو گے، تم کو اس سے بہت احتراز کرنا چاہیئے کہ تم سے غفلت میں لغزش ہو، اور تم اس کی کوئی تلافی نہ کر سکو۔

سلیمان بن عبدالملک خدا کا ایک بندہ تھا، خدا نے اس کو وفات دی، اور اس نے مجھ کو خلیفہ بنایا، اور میرے لئے خود بیعت لی، اور میرے بعد تم کو ولیعہد مقرر کیا، میں جس حالت میں تھا اگر وہ اس لئے ہوتی کہ میں بہت سی بیبیوں کا انتخاب کروں اور مال و دولت جمع کروں تو خدا نے مجھ کو اس سے بہتر سامان دیئے تھے جو کسی بندہ کو دے سکتا تھا، لیکن میں سخت حساب اور نازک سوال سے ڈرتا ہوں، بجز اُس کے جس پر خدا میری مدد کرے[1]

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۲۷۷، ۲۷۸

اہل وعیال کی نسبت مسلمہ نے کہا کہ "اے امیرالمومنین آپ نے اپنی اولاد کا منہ ہمیشہ
اس مال سے خشک رکھا، اس لئے آپ اُن کو ایسی حالت میں چھوڑے جاتے ہیں کہ
اُن کے پاس کچھ نہیں ہے، کاش مجھے یا اپنے خاندان کے کسی اور شخص کو اُن کے متعلق
کچھ وصیت کر جاتے" بولے "مجھے ٹیک لگا کر بٹھا دو" پھر فرمایا کہ "تمہارا یہ کہنا کہ میں نے
اُن کے منہ کو ہمیشہ اس مال سے خشک رکھا، تو خدا کی قسم میں نے ان کا حق کبھی تلف
نہیں کیا، اور جس چیز میں اُن کا حق نہیں تھا وہ ان کو کبھی نہیں دی، تمہارا یہ کہنا کہ میں
تمہیں یا خاندان کے کسی شخص کو اُن کے متعلق وصیت کر جاؤں تو اُن کے معاملہ میں میرا
وصی اور میرا ولی صرف خدا ہے، اور وہی صلحا کا ولی ہوتا ہے، میرے لڑکے اگر خدا سے
ڈریں گے تو خدا اُن کے لئے کوئی صورت نکال دے گا اور اگر وہ مبتلائے گناہ ہوں
گے تو میں اُن کو معصیت کے لئے طاقتور نہ بناؤں گا" اس کے بعد لڑکوں کو بلا اور
باچشم تر اُن کو دیکھ کر فرمایا "میری جان ان نوجوانوں پر قربان جن کو میں نے محتاج و مفلس
چھوڑا ہے، لیکن خدا کا شکر ہے کہ میں نے ان کو اچھی حالت میں چھوڑا، لڑکو! تم کسی
عرب، کسی ذمی سے نہ ملو گے جس پر تمہارا حق نہ ہوگا، لڑکو! تمہارے باپ کو دو باتوں میں
سے ایک کا اختیار تھا، ایک یہ کہ تم لوگ دولت مند ہو جاؤ اور وہ جہنم میں داخل ہو، یا
تم لوگ محتاج رہو اور وہ جنت میں جائے، لیکن یہ بات کہ تم لوگ محتاج رہو اور وہ
جنت میں جائے اس کو زیادہ محبوب تھی، بہ نسبت اس کے کہ تم لوگ دولتمند ہو اور وہ آگ
میں جائے، اُٹھو! خدا تم کو محفوظ رکھے"

ایک روایت میں ہے کہ جب مسلمہ بن عبدالملک نے وصیت کی درخواست کی، تو
انھوں نے کہا کہ مال کہاں ہے جس کے متعلق وصیت کروں، مسلمہ نے کہا میں ایک لاکھ

آپ کی خدمت میں بھیجتا ہوں، آپ اسی کے متعلق وصیت کر دیجئے" بولے "اس کو جہاں
سے لائے ہو وہیں واپس کر آؤ" اس پر مسلمہ رو پڑے[1]

لوگوں کو اُن کی وفات کا حال معلوم ہوا تو عام و خاص، عالم و جاہل، مسلم و غیر مسلم
سب نے عام طور پر ماتم کیا؛ قاعدہ یہ تھا کہ جب اُن کا قاصد بصرہ میں آتا تو چونکہ وہ عموماً
وظائف کے اضافہ یا کسی اچھی بات کا حکم اور کسی بُرائی سے ممانعت کا فرمان لاتا، اس
لئے لوگ اس کا استقبال کر کے اس کو مسجد تک لاتے اور وہ ان کا خط پڑھ کر سناتا
اس لئے جب قاصد ان کی وفات کی خبر لے کر بصرہ میں آیا، تو لوگوں نے حسبِ معمول
اُس کا استقبال کیا، لیکن جب اُس نے رو کر اُن کی وفات کی خبر سنائی تو سب
لوگ رو پڑے[2]

امام حسن بصریؒ کو اس واقعہ کی خبر پہنچی، تو بولے "انا للہ وانا الیہ راجعون
اے ہر نیکی کے مالک۔ تمام فقہاء اُن کی بی بی فاطمہ کے پاس تعزیت کے لئے آئے
اور کہا کہ "یہ مصیبت تمام اُمت کے لئے عام ہے"

عبدالملک بن عمیر نے موت کے بعد اُن کی اخلاقی خوبیوں کو گنا گنا کر کہا کہ اے
امیرالمومنین! خدا تم پر رحم کرے تم نگاہوں کو جھکائے رہتے تھے، پاک دامن تھے،
حق کے ساتھ فیاض اور بخل کے ساتھ بخیل تھے، غصہ کے وقت غصہ ہوتے تھے اور
رضامندی کے وقت راضی ہوتے تھے، نہ ظریف تھے، نہ کسی پر عیب لگاتے تھے
نہ کسی کی غیبت کرتے تھے۔

محمد بن معبد کا بیان ہے کہ میں شاہ روم کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس کو زمین

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۲۷۹، ۲۸۰ [2] سیرت ابن عبدالحکم ص ۹۶

پر نہایت رنج وغم کی حالت میں بیٹھا ہوا پایا، میں نے پوچھا کیا حال ہے؟ بولا جو کچھ ہوا تم کو خبر نہیں؟ میں نے کہا کیا ہوا؟ بولا مرد صالح کا انتقال ہو گیا، میں نے کہا وہ کون؟ بولا "عمر بن عبدالعزیزؒ" پھر کہا "اگر عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی مُردوں کو زندہ کر سکتا تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ہی کر سکتے تھے، مجھے اس راہب کی حالت پر کوئی تعجب نہیں جس نے اپنے دروازے کو بند کر کے دنیا کو چھوڑ دیا، اور عبادت میں مشغول ہو گیا مجھے اس شخص کی حالت پر تعجب ہے جس کے قدموں کے نیچے دنیا تھی اور اس نے اس کو پامال کر کے راہبانہ زندگی اختیار کی"[1]

مجاہد کا بیان ہے کہ میں جا رہا تھا کہ ایک نبطی نے مجھ سے پوچھا کہ تم کہاں سے آ رہے ہو، تم حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی وفات کے وقت موجود تھے؟ میں نے کہا "ہاں" یہ سن کر وہ رو پڑا، اُن کے لئے رحمت کی دعا مانگی، میں نے کہا تم اُن کے لئے کیوں رحمت کی دعا مانگتے ہو؟ وہ تو تمہارے ہم مذہب نہ تھے "اُس نے کہا میں اُن پر نہیں روتا اُس نور پر روتا ہوں جو زمین پر تھا، اور اب بجھ گیا"[1]

علماء مدتوں اُن کی قبر کی زیارت کرتے رہے، ایک بار مکحول مقام دابق سے پلٹ کر ایک منزل میں کوچ کے وقت اُترے، اور ایک طرف دُور نکل گئے، لوگوں نے پوچھا کہاں گئے تھے؟ بولے "پانچ میل کے فاصلہ پر عمر بن عبدالعزیزؒ کی قبر تھی میں وہیں گیا تھا، خدا کی قسم اُن کے زمانہ میں اُن سے زیادہ کوئی خدا ترس نہ تھا، خدا کی قسم اُن کے زمانہ میں اُن سے زیادہ کوئی زاہد نہ تھا"[2] علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ اب تک اُن کی قبر زیارت گاہ خلائق ہے[3]

---

[1] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز صفحہ ۲۸۸، ۲۸۹ [2] ایضاً صفحہ ۲۹ [3] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۱۰۵ تذکرہ عمر بن عبدالعزیزؒ

شعراء کو اگرچہ انھوں نے اپنی زندگی میں مدح سرائی کا موقع نہیں دیا تاہم ان کی وفات پر سب نے دل کھول کر مرثیے لکھے، جریر نے ان اشعار میں اپنے دردِ دل کا اظہار کیا۔

تنعی النعاۃ امیر المومنین لنا ۔۔۔ یا خیر من حج بیت اللہ واعتمرا

خبر مرگ پہنچانے والے ہم کو امیر المومنین کی موت کی خبر دیتے ہیں اے ان لوگوں میں جنھوں نے بیت اللہ کا حج اور عمرہ کیا سب سے بہتر

حملت امرا عظیما فاصطلعت بہ ۔۔۔ وسرت فیہ بحکم اللہ یا عمرا

آپ پر ایک بڑا بوجھ لادا گیا اور آپ نے اس کو بغل میں دبا لیا اور اے عمر تم نے اس پر خدا کے حکم کے موافق عمل کیا۔

الشمس طالعۃ لیست بکاسفۃ ۔۔۔ تبکی علیہ نجوم اللیل والقمرا

سورج نکلا ہے گہنایا نہیں، تم پر رات کے ستارے اور چاند رو رہے ہیں۔

فرزدق کے قطرہائے اشک یہ ہیں۔

کم من شریعۃ حق قد شرعت لھم ۔۔۔ کانت امیتۃ واخری منک تنتظر

کتنی مردہ شریعتوں کو تم نے زندہ کیا، اور دوسری شریعتوں کے زندہ کرنے کی تم سے توقع تھی۔

یا لھف نفسی ولھف اللاھفین معی ۔۔۔ علی العدول التی تغتالھا الحفر

میرے نفس کا پچھتاوا اور میرے ساتھ تمام افسوس کرنے والوں کا پچھتاوا اس عادل کو جس کو قبر نے اچک لیا

محارب بن دثار نے ان اشعار میں فغاں سنجی کی۔

لو اعظم الموت خلقا ان یواقعہ ۔۔۔ لعدلہ لم یصبک الموت یا عمر

اگر انصاف کی وجہ سے موت کسی کو نہ آسکتی تو اے عمرؓ تمھیں موت نہ آتی۔

لو کنت املک والاقدار غالبۃ ۔۔۔ تاتی رواحا وتبیانا وتبتکر

اگر مجھے قدرت ہوتی، حالانکہ تقدیر غالب ہے جو صبح و شام اپنے کرشمے دکھایا کرتی ہے

صرفت عن عمر الخیرات مصرعہ ۔۔۔ بدیر سمعان لکن یغلب القدر[1]

تو میں عمرؓ سے موت کو مقام دیر سمعان میں موت کو ٹال دیتا۔ لیکن تقدیر غالب آتی ہے۔

[1] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۲۹۲

اِسی طرح اور بھی متعدد شعراء نے مرثیے لکھے، جن کو ہم طوالت کے خوف سے نظر انداز کرتے ہیں، حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ نے اپنی اولاد کے لیے جو ترکہ چھوڑا اس کے متعلق مختلف روایتیں ہیں، ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے اپنی اولاد سے کہا کہ تم "خزانچی پر تہمت نہ لگانا میں صرف ۱۲ دینار چھوڑتا ہوں، جس میں دیر سمعان کے لوگوں کے مکانات کا کرایہ ادا کرنا ہوگا، ایک مزدوعہ اور قبر کی زمین کی قیمت دینا ہوگی"

ایک روایت میں ہے کہ کسی نے عبدالعزیزؒ بن عمر بن عبدالعزیزؒ سے پوچھا کہ انھوں نے تمہارے لیے کس قدر مال چھوڑا؟ وہ مسکرائے اور کہا کہ "اُن کے داروغہ نے مجھ سے بیان کیا کہ نزع کے وقت خود انھوں نے پوچھا کہ تمہارے پاس کس قدر روپیہ ہے؟ میں نے کہا ۱۴ دینار اس نے کہا کس قدر منافع کی جائداد چھوڑی؟ بولے ۶۰۰ دینار ہم بارہ مرد اور ۶ عورتیں تھے جن کو ہم نے ۱۵ اسہام پر تقسیم کر لیا"

منصور نے عبدالرحمٰن بن قاسم بن ابی بکر سے درخواست کی کہ "مجھے نصیحت کیجئے" بولے اس چیز کی نصیحت کروں جو میں نے دیکھی ہے یا اُس چیز کی جو میں نے سُنی ہے؟ اس نے کہا جو آپ نے دیکھی ہے، بولے حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ نے گیارہ لڑکے چھوڑ کر وفات پائی اور اُن کا کل ترکہ ۱۷ دینار تھا جس میں ۵ دینار اُن کے کفن میں صرف ہوئے، ۲ دینار پر قبر کی زمین خریدی گئی اور بقیہ لڑکوں پر تقسیم ہوا اور ہر لڑکے نے ۱۹، ۱۹ درہم پائے ہشام بن عبدالملک بھی گیارہ لڑکے چھوڑ کر مرا اور جب ترکہ تقسیم ہوا تو سب نے دس دس لاکھ پایا لیکن میں نے عمرؒ بن عبدالعزیزؒ کے ایک لڑکے کو دیکھا کہ ایک دن میں سو گھوڑے جہاد کیلئے دیئے اور ہشام کے ایک لڑکے کو دیکھا جس کو لوگ صدقہ دے رہے ہیں"[1]

بہرحال اگر اور خلفائے بنو امیہ کے ساتھ اُن کا موازنہ کیا جائے تو انھوں نے نام نیک کے سوا اور کچھ نہیں چھوڑا۔

ازواج و اولاد

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ کے چار بیبیاں تھیں، جن میں ایک اُم الولد یعنی صاحبِ اولاد لونڈی تھی، بیبیوں میں ایک کا نام لمیس بنت علی بن حارث اور دوسری کا ام عثمان بنتِ شعیب بن زبان اور تیسری کا فاطمہ بنت عبدالملک بن مروان تھا، اور اُن میں ہر ایک سے اولاد پیدا ہوئی، لونڈی سے ۶ لڑکے یعنی عبدالملک[1]، ولید[2]، عاصم[3]، یزید[4]، عبداللہ[5]، عبدالعزیز[6]، زبان[7] اور ۲ لڑکیاں، یعنی امینہ[8] اور ام عبداللہ[9] پیدا ہوئیں، ام عثمان سے صرف ایک لڑکا ابراہیم[10] پیدا ہوا، عبداللہ[11]، بکر[12]، اور ام عمار[13] لمیس کے بطن سے تھے اور بقیہ اولاد یعنی اسحٰق[14]، یعقوب[15]، موسٰی[16]، فاطمہ بنت عبدالملک کے بطن سے تھیں، اس طرح ان کی اولاد ذکور و اناث کی مجموعی تعداد ۱۶ تھی، جن کے حالات حسبِ ذیل ہیں:۔

عبدالملک

عبدالملک نہایت متقشف اور زاہد تھے، ایک دن بی بی خوب بن سنور کر سامنے آئی تو کہا کہ "اب تم کو عدت میں بیٹھنا چاہیئے"، بعض مشائخ اہل شام کا بیان ہے کہ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ نے اپنے بیٹے عبدالملک، ہی کو دیکھ کر عبادت گذاری اختیار کی سیار بن الحکم کا بیان ہے کہ عبدالملک حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ سے بھی افضل تھے۔

میمون بن مہران فرماتے ہیں کہ میں نے ایک گھر میں تین آدمیوں سے بہتر نہیں دیکھا

ایک عمر بن عبدالعزیزؒ، دوسرے اُن کے بیٹے عبدالملک اور تیسرے اُن کے مولا مزاحم
اس بنا پر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اُن کو نہایت محبوب رکھتے تھے، اور اُن پر نہایت
اعتماد کرتے تھے، چنانچہ خلیفہ ہونے کے ساتھ اُن کو ایک خط میں لکھا، کہ "اپنے بعد
میں اپنی وصیت اور نصیحت کا سب سے زیادہ مستحق تم کو سمجھتا ہوں، اور تم بھی ان کے
محفوظ رکھنے کی سب سے زیادہ اہل ہو، خدا نے ہم پر بہت بڑا احسان کیا ہے اور جو نعمتیں
رہ گئی ہیں وہ بھی عطا کرے گا، تو خدا کا جو احسان تم پر اور تمھارے باپ پر ہے اس
کو یاد کرو اور اپنے باپ کو ہر اس معاملہ میں جس پر وہ قادر ہے اور جس سے تمھارے
خیال میں وہ عاجز ہے مدد دو۔"

عبدالملک نے اس نصیحت پر شدت کے ساتھ عمل کیا، اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ
کو خلافت کے اہم معاملات میں ہمیشہ مدد دی، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اموالِ مغصوبہ کو
بنو امیہ کے فتنہ و فساد کے خوف سے تدریج و تمہل واپس کرنا چاہتے تھے لیکن عبدالملک
ہی کے مشورہ سے انھوں نے اس کام کو سب سے پہلے انجام دیا۔

ایک بار حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کسی بات پر سخت برہم ہوئے، عبدالملک بھی
اس جگہ موجود تھے، جب ان کا غصہ فرو ہوا تو بولے اے امیر المومنین! آپ اس
درجہ پر پہنچ کر اس قدر غصہ ہوتے ہیں؟ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا تو کیا
تم غصہ نہیں ہوتے؟ بولے میری توند سے کیا فائدہ اگر میں غصہ کو ہضم نہ کر جاؤں" یہ
اُن کا پیٹ بڑا تھا۔

ایک دن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ دربار کر رہے تھے، دوپہر ہوئی تو تھک کر
آرام لینے گئے کہ حاضرِ خدمت ہوئے اور کہا کہ آپ اندر کیوں چلے

آئے؟ فرمایا تھوڑی دیر آرام کرنا چاہتا ہوں" بولے" رعایا دروازے پر آپ کا انتظار
کر رہی ہے اور آپ ان سے چھپتے ہیں، کیا موت پر آپ کو اعتماد ہے کہ وہ اس حالت میں
نہ آجائے گی؟ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اُٹھے، اور پھر دربار کرنا شروع کیا۔

عبدالملک نے باپ کی زندگی ہی میں بعارضہ طاعون انتقال کیا، بیماری کی
حالت میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اُن کے پاس جا کر حال پوچھا تو بولے "میں اپنے
آپ کو حق پر پاتا ہوں، لیکن خدا کی قسم آپ کی مرضی مجھے اپنی مرضی سے زیادہ محبوب
ہے" موت کے بعد لاش کے پاس گئے، اور مزاحم نے اُن کی موت کی خبر دی تو بے
ہوش ہو گئے۔ ہوش میں آئے تو لاش کو دیکھ کر یہ شعر پڑھا ؎

لا یغرنک عشاء ساکن   قد یوافی بالمنیات السحر

تم کو بے خوف و خطر شام دھوکا دے   کیونکہ موت صبح کو بھی آتی ہے

اور فرمایا "اے بیٹے! دنیا میں تم ویسے ہی تھے جیسا کہ خدا کہتا ہے:

المال والبنون زینۃ الحیوٰۃ الدنیا   مال و اولاد دنیوی زندگی کی زینت ہیں

اور تم دنیا کی افضل ترین زینت تھے، اور مجھے توقع ہے کہ آج سے تم باقیات
الصالحات میں داخل ہو گئے، جس کا ثواب سب سے بڑھ کر ہے۔"

کفن پہنایا جانے لگا، تو چہرے کو دیکھ کر فرمایا "اے بیٹے خدا تم پر رحم کرے اور
تمھاری مغفرت کرے، دفن ہونے کے بعد قبر کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا "اے بیٹے
خدا تجھ پر رحم کرے، بچپن میں تم خوشی کا باعث تھے، جوانی میں حق پدری ادا کرنے
والے تھے" اس کے بعد تمام لوگوں کو مخاطب کر کے ایک تقریر کی، اور سب کو
نوحہ و بکا سے روک دیا۔

لوگوں نے عام طور پر حاضر ہو کر رسم تعزیت ادا کی، ایک بدو نے کھڑے ہو کر تعزیت میں یہ اشعار پڑھے۔

تعز امیر المومنین فانه — لما قد تری یغذی الولید و یولد

هل ابنك الا من سلالة آدم — لكل على حوض المنية مورد

عبد العزیز

یہ یزید بن عبد الملک اور مروان بن محمد کی جانب سے مکہ اور مدینہ کے گورنر تھے، وہ رواۃ حدیث میں ہیں۔

عبد اللہ

یہ یزید بن ولید کی طرف سے کوفہ کے گورنر تھے، یہ جب وہاں کے گورنر مقرر ہو کر آئے تو بصرہ والوں نے ایک نہر کھدوانے کی درخواست کی، انھوں نے یزید کو اس کی اطلاع دی، یزید نے لکھا کہ "اگر عراق کا کل خراج صرف ہو جائے تب بھی نہر کھدواؤ" چنانچہ انھوں نے تین لاکھ کے صرف سے ایک نہر کھدوائی، جو ان کے نام سے مشہور رہی ہے[1]

بقیہ اولاد یعنی اسحٰق، یعقوب، بکر، موسیٰ، ولید، عاصم، یزید، زبان، آمنہ، ام عمار اور ام عبد اللہ میں بعض نے بچپن ہی میں وفات کی اور بقیہ نے کوئی خاص ناموری حاصل نہیں کی۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کا نہایت عمدہ انتظام

[1] فتوح البلدان ص ۳۷۷

کیا تھا، صالح بن کیسان جو علمائے مدینہ میں بڑے پایہ کے محدث تھے، ان کی نسبت تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ وہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی اولاد کے مؤدب یعنی اتالیق تھے، ان کے علاوہ ان کے مولیٰ سہل بھی اس خدمت پر مامور تھے، اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ ان کو بہترین تعلیم و تربیت دینے پر خود متوجہ کرتے رہتے تھے، ایک بار ان کو ایک خط میں لکھا کہ میں نے اچھی طرح سمجھ بوجھ کر تمام موالی اور خواص میں سے تم کو اپنی اولاد کی تادیب کے لیے انتخاب کیا ہے، ان کو خشونت سکھاؤ کہ یہ ان کے قدم کو راسخ کرے گی، اور ترکِ صحبت کی طرف توجہ دلاؤ کہ وہ غفلت پیدا کرتی ہے۔ اور کم ہنسنے دو کہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کر دیتا ہے، تمہارے ادب سے پہلی بات جو وہ سیکھیں وہ راگ باجے کی طرف سے نفرت ہو کیونکہ میں نے ثقات سے سنا ہے کہ راگ باجے کا سننا دل میں نفاق پیدا کرتا ہے، جس طرح پانی گھاس کو اگاتا ہے۔ ان میں ہر لڑکا قرآن مجید کا ایک ٹکڑا شروع کرے اور نہایت احتیاط کے ساتھ اس کی قرأت کرے، جب اس سے فارغ ہو جائے تو ہاتھ میں تیر و کمان لے کر برہنہ پا نکل جائے اور سات تیر چلائے، پھر قیلولہ کرنے کے لیے واپس آئے، کیونکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "اے بچو قیلولہ کرو اس لئے کہ شیطان قیلولہ نہیں کرتا۔"

حلیہ

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا رنگ سفید، چہرہ پتلا اور آنکھیں گہری تھیں بچپن میں گھوڑے نے پیشانی پر لات ماری تھی جس کا نشان باقی تھا، اور اسی لیے وہ "اشج بنو امیہ" کہلاتے تھے، اخیر عمر میں بال سفید ہونے لگے تھے، جسم لاغر تھا اور یہ غالباً زہد و تقشف کا اثر تھا۔

اخلاق وعادات

حسنِ خلق نہایت خوش خلق اور نرم خو تھے، چند خاص لوگ تھے جن سے رات کو معاملاتِ خلافت کے متعلق مشورہ لیا کرتے تھے، لیکن جب اُن کا جی چاہتا کہ یہ لوگ یہاں سے اُٹھ جائیں تو صرف اس قدر کہتے کہ اگر آپ لوگ چاہیں۔

ایک بار عبد اللہ بن حسن اپنی ضرورتوں کے لئے سلیمان بن عبد الملک کے پاس آئے، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کو واسطہ بنایا، اور اس لئے اکثر اُن کے یہاں آنا جانا شروع کیا، ایک دن حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اُن سے کہا کہ آپ میرے یہاں اُسی وقت آئیے جب آپ کو اندر آنے کی اجازت مل سکے، کیونکہ مجھے یہ گوارا نہیں کہ آپ میرے دروازے پر آئیں اور آپ کو اذن نہ ملے۔[1]

ایک دن وہ آئے تو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے کہا کہ "فوج میں ایک شخص مبتلائے طاعون ہو گیا ہے، آپ اپنے وطن تشریف لے جائیں، کیونکہ آپ مجھے بہت عزیز ہیں"[1]

ایک بار چند آدمیوں کے پاس غلطی سے بغیر سلام کئے ہوئے بیٹھ گئے، یاد آیا تو اُٹھ کر سب کو سلام کر لیا تو بیٹھے۔[2]

[1] سیرت عمر بن عبد العزیزؓ ص ۶۲، ۶۳ [2] ایضاً ص ۶۴

تواضع ومساوات خلافت سے پہلے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ ایک مغرور اور جاہ پسند شخص تھے، نہایت عمدہ کپڑے پہنتے تھے، نہایت عمدہ خوشبو لگاتے تھے، اور راہ میں اکڑتے ہوئے چلتے تھے، لیکن خلیفہ ہونے کے ساتھ ہی اُن کے اخلاق وعادات میں جو عظیم الشان انقلاب ہوا اس نے عجب وغرور کو تواضع وانکسار سے بدل دیا۔

جب وہ مدینہ کے گورنر تھے تو وضع قطع سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہ گورنر ہیں لیکن خلیفہ ہونے کے بعد کسی نے یہ نہ جانا کہ وہ خلیفہ ہیں۔

خلیفہ ہونے کے بعد جب شاہانہ سواریاں آئیں تو اُن کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ "میرا خچر میرے لئے کافی ہے" سوار ہو کر چلے تو کوتوال نے برچھا لے کر آگے آگے چلنا چاہا، لیکن اس کو یہ کہہ کر ہٹا دیا کہ "میں بھی عام مسلمانوں کی طرح ایک مسلمان ہوں" قصرِ خلافت میں داخل ہوئے تو تمام پردوں کو چاک چاک کرا دیا، اور خلفاء کے لئے جو فرش بچھایا جاتا تھا اس کو فروخت کرا کے اس کی قیمت بیت المال میں داخل کرا دی۔[1]

لوگ اُن کے سامنے کھڑے ہوتے تو فرمایا "لوگو! اگر تم کھڑے رہو گے تو ہم بھی کھڑے ہو جائیں گے، اور تم لوگ بیٹھو گے تو ہم بھی بیٹھیں گے، لوگوں کو صرف خدا کے سامنے کھڑا ہونا چاہیئے"[2]

خلفائے بنو امیہ کا دستور تھا کہ جب کسی جنازہ میں شریک ہوتے تھے تو سب سے پہلے اُن کے بیٹھنے کے لئے ایک خاص چادر بچھائی جاتی تھی، ایک بار حضرت عمر بن عبد العزیزؒ ایک جنازہ میں شریک ہوئے، اور حسبِ معمول اُن کے لئے بھی یہ چادر بچھائی گئی لیکن وہ اُس کو پاؤں سے ہٹا کر زمین پر بیٹھ گئے،[3] سرکاری پہرہ داروں کو تعظیم کے لئے اُٹھنے

[1] سیرۃ عمر بن عبد العزیز ص ۵۳ و ۵۴ [2] سیرۃ ابن عبد الحکم ص ۳۷ [3] سیرۃ عمر بن عبد العزیز ص ۵۷

کی بالکل ممانعت کردی تھی، اور اُن کے ساتھ برابر بیٹھتے تھے[1] وہ لوگ سلام میں مسابقت کرتے تھے تو اُن سے کہتے تھے کہ تم لوگ پہلے سلام نہ کرو، بلکہ ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم تم لوگوں کو پہلے سلام کریں[2]۔

(اُن کو عُجب، غرور اور فخاری سے اس قدر نفرت تھی کہ جب خطبہ دیتے یا کوئی تحریر لکھتے اور اس کے متعلق دل میں غرور پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا تو خطبے میں چُپ ہوجاتے اور تحریر کو پھاڑ ڈالتے، اور فرماتے کہ خدایا میں اپنے نفس کی بُرائی سے پناہ مانگتا ہوں[3]، فرمایا کرتے تھے کہ فخاری کے خوف سے میں زیادہ نہیں بولتا[4]

اگرچہ وہ خلیفہ اور امیرالمومنین تھے، مگر اپنے آپ کو ہمیشہ عُمر ہی سمجھا کئے، ایک بار اُن کا ایک بھائی آیا، اور کہا کہ "اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو عُمر سمجھ کر ایسی بات کہوں جو آج آپ کو ناپسند اور کل پسندیدہ ہو، ورنہ امیرالمومنین سمجھ کر ایسی گفتگو کروں جو آج آپ کو محبوب اور کل مبغوض ہو" بولے "مجھے عُمر ہی سمجھ کر وہ بات کہو جو آج مجھے ناپسند اور کل پسند ہو۔"

ایک بار رات کو رجاء بن حیوۃ سے گفتگو فرمارہے تھے، کہ دفعۃً چراغ جھلملانے لگا، پہلو ہی میں ایک ملازم سویا ہوا تھا، رجاء نے کہا اس کو جگا نہ دوں؟ بولے سونے دو انھوں نے کہا "میں خود اُٹھ کر چراغ کو ٹھیک کردوں" فرمایا "مہمان سے کام لینا مروّت کے خلاف ہے، بالآخر چادر رکھ کر خود ہی اُٹھے، برتن سے زیتون کا تیل لیا اور چراغ کو ٹھیک کرکے پلٹے تو کہا "جب میں اٹھا تھا تب بھی عمر بن عبدالعزیز رح تھا اور جب لوٹا تب بھی عمر بن عبدالعزیز ہوں۔"

[1] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۸۶ [2] سیرۃ ابن عبدالحکم ص ۳۸ [3] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۶۳ [4] تاریخ الخلفا ص ۱۲۱

انھوں نے باوجود خلیفہ ہونے کے کبھی اپنے آپ کو عام مسلمانوں بلکہ لونڈی غلاموں سے بھی بالاتر نہیں سمجھا، ایک بار لونڈی اُن کو پنکھا جھل رہی تھی، کہ اس حالت میں اس کی آنکھ لگ گئی، انھوں نے خود پنکھا لے لیا، اور اس کو جھلنے لگے، وہ جاگی تو شور کیا، بولے تو بھی میری طرح ایک آدمی ہے، میری طرح تجھے بھی گرمی معلوم ہوئی اس لئے میں نے چاہا کہ جس طرح تو نے مجھے پنکھا جھلا ہے میں بھی تجھے پنکھا جھل دوں"

جنازوں میں عمداً شریک ہوتے، اور عام مسلمانوں کی طرح تابوت کو کاندھا دیتے ہوئے چلتے، ایک بار بارش کے دن میں ایک جنازہ کی نماز پڑھائی، اتفاقاً ایک مسافر آگیا، جس کے بدن پر چادر نہ تھی، انھوں نے اس کو بلایا، اور اپنی چادر کا بچا ہوا حصہ اُس کو اُڑھا دیا۔

ایک بار ایک گرجے میں اُترے، تو دیکھا کہ کچھ لوگ بہت سے طبق لئے جارہے ہیں، پوچھا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ گرجے کا پادری لوگوں کی ضیافت کر رہا ہے اس کے بعد اُن کے سامنے ایک طبق پیش کیا گیا جس میں پستہ اور بادام تھا، بولے اور تمام طبقوں میں بھی یہی ہے؟ لوگوں نے کہا کہ نہیں، بولے تو پھر اس کو واپس لے جاؤ[1]

خاکساری کی وجہ سے مداحی کو سخت ناپسند کرتے تھے، ایک بار کسی شخص نے ان کے سامنے ان کی تعریف کی، تو بولے "مجھے جو حال اپنے نفس کا معلوم ہے اگر تم کو معلوم ہوتا تو تم میرے چہرے کی طرف دیکھتے بھی نہیں۔"

اس تواضع و فروتنی کا یہ اثر تھا کہ جو لوگ اُن کو شاہانہ جاہ وجلال کے ساتھ دیکھنا چاہتے تھے وہ ان کو پہچان ہی نہ سکتے تھے، حکم بن عمر الرعینی کا بیان ہے کہ حضرت

[1] سیرت ابن عبدالحکم ص ۵۵

عمر بن عبد العزیزؓ اس حلقہ سے اُٹھ کر اُس حلقہ میں جا بیٹھتے تھے تو جو اجنبی لوگ آتے تھے وہ ناآشنا یانہ پوچھتے تھے کہ امیر المومنین کس حلقہ میں ہیں؟ لیکن جب تک اُنگلی سے اشارہ نہ کیا جاتا کہ یہ امیر المومنین ہیں وہ لوگ اُن کو پہچان نہ سکتے۔"

لیکن باوجود اس عجز وخاکساری کے خودداری کا سررشتہ ہاتھ سے نہیں چھوڑتے تھے، خلیفہ ہونے کے بعد اہلِ خاندان سے میل جول کم کر دیا تو اُن میں بعض لوگوں نے کہا کہ "آپ مغرور ہو گئے"، بولے "میں پہلے ایک لونڈا تھا، خاندان کے لوگ بلا اجازت میرے پاس آتے جاتے تھے، میرے فرش کو روندتے تھے اور ایک ایسے شخص کے ساتھ جو حاکمانہ حیثیت نہ رکھتا ہو جو برتاؤ کیا جا سکتا ہے کرتے تھے لیکن خلیفہ ہونے کے بعد میں نے یہ فیصلہ کیا کہ یا تو میں قدیم حالت کو قائم رکھنے کے ساتھ حق کی مخالفت پر اُن کو سزا دوں، یا یہ کہ اُن سے اختلاط چھوڑ دوں، تاکہ خود اُن کو اس کی جرأت نہ ہونے پائے، میں نے یہی آخری صورت اختیار کی ہے، ورنہ غرور تو صرف خدا کی چادر ہے، میں اس کے متعلق اس سے کیونکر جنگ کر سکتا ہوں۔"[1]

حلم | حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے اگرچہ عنفوانِ شباب سے لے کر دمِ مرگ حاکمانہ حیثیت کے ساتھ زندگی بسر کی، تاہم وہ ہمیشہ حلیم، نرم خو اور متحمل مزاج رہے۔

ایک بار ایک خارجی نے سلیمان بن عبد الملک کو بُرا بھلا کہا جس کی پاداش میں اُس نے اس کو قتل کروا دیا، لیکن قتل سے پہلے جب حضرت عمر بن عبد العزیزؓ سے مشورہ کیا تو انھوں نے کہا کہ "آپ بھی اس کو بُرا بھلا کہہ لیجئے۔"[2]

سلیمان بن عبد الملک کی زندگی میں تو یہ اُن کا مشورہ تھا لیکن اس کی وفات

---

[1] یہ تمام واقعات سیرۃ عمر بن عبد العزیز از ص ۱۶۲ تا ص ۱۶۵ میں درج ہیں [2] سیرۃ عمر بن عبد العزیز ص ۴۹

کے بعد جب خود خلیفہ ہوئے تو اس پر عمل کرنے کا وقت آیا، چنانچہ ایک بار اُن کے عامل عبد الحمید بن عبد الرحمٰن نے ان کو لکھا کہ میرے اجلاس میں ایک شخص اس جرم میں پیش کیا گیا ہے کہ وہ آپ کو گالیاں دیتا ہے، میں نے اس کی گردن اُڑا دینی چاہی تھی لیکن پھر اس خیال سے قید کر دیا کہ اس بارے میں آپ کی رائے لے لوں" حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے جواب میں لکھا کہ "اگر تم اس کو قتل کر دیتے تو میں تم سے قصاص لیتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کے گالی دینے پر کوئی شخص قتل نہیں کیا جا سکتا، اس لئے اگر تمہارا جی چاہے تو اس کو گالی دے لو ورنہ رہا کر دو۔"[1]

ایک بار وہ منبر پر خطبہ دے رہے تھے کہ اسی حالت میں ایک شخص نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تم فاسق ہو"، یہ سُن کر صرف اس قدر بولے کہ "تم جھوٹے گواہ ہو میں تمہاری شہادت کو قبول نہیں کرتا۔"

ایک بار کسی نے ان کو کلمات ناملائم کہے، لوگ بولے کہ آپ کیوں چُپ ہیں؟ فرمایا کہ "تقویٰ نے منہ میں لگام لگا دی ہے"

ایک بار کسی نے ایک آدمی کی نسبت اُن سے کہا کہ یہ آپ کو گالی دیتا ہے۔ اُنھوں نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا، اس نے پھر کہا، اب کے بھی روگردانی کی، اُس نے تیسری بار کہا تو بولے کہ عمر اس کو اس طرح ڈھیل دے رہا ہے کہ اس کو خبر تک نہیں ہوتی۔"

ایک بار وہ سوار جا رہے تھے کہ ایک پا پیادہ شخص سواری کی جھپٹ میں آگیا اور اُس نے غصہ کی حالت میں کہا کہ "دیکھ، تو دیکھتا نہیں"، جب سواریاں نکل گئیں تو

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحؒ ص ۲۷۲

اُس نے کہا کیا کوئی ہے جو مجھے اپنے پیچھے بٹھالے؟ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ نے اپنے غلام سے کہا کہ اس کو چشمہ تک لے چلو۔"

ایک بار رات کو مسجد میں گئے، ایک شخص سو رہا تھا، اندھیرے میں اس کو اُن کے پاؤں کی ٹھوکر لگ گئی، تو اُس نے جھلّا کر کہا کیا تم پاگل ہو؟ بولے "نہیں" پھر اسی نے اس گستاخی پر اس کو سزا دینی چاہی، لیکن حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ نے روک دیا اور کہا کہ اس نے مجھ سے صرف یہ پوچھا تھا کہ تم پاگل ہو، میں نے جواب دیدیا کہ "نہیں"۔

ایک بار اُن کو کسی شخص نے سخت بات کہی، بولے "تو چاہتا ہے کہ حکومت کے غرور میں میں بھی تیرے ساتھ وہی سلوک کروں جو تو کل (قیامت کے دن) میرے ساتھ کرے گا" یہ کہہ کر اس کو معاف کر دیا۔

ایک بار وہ قیلولہ کرنے کے لئے اُٹھے، ایک آدمی ہاتھ میں کاغذ کا پلندا لئے ہوئے بڑھا، اور پلندے کو ان کی طرف پھینک دیا، اُنھوں نے مڑ کر دیکھا تو پلندا منہ پر جا کے گرا، اور رخساروں پر چوٹ لگی، اور گالوں سے خون جاری ہوگیا لیکن اُنھوں نے نہایت خاموشی کے ساتھ اس کی عرضی پڑھی اور اس کی حاجت کو پورا کیا۔

ایک بار ایک بچے نے اُن کے کسی لڑکے کو مارا، لوگ اُس کو اُن کی بی بی فاطمہ کے پاس لے گئے، حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ دوسرے کمرے میں تھے، شور سنا تو کمرے سے نکل آئے، اس کے بعد ایک عورت آئی اور کہا کہ یہ میرا بچہ ہے، اور یہ یتیم ہے" اُنھوں نے پوچھا کہ اس یتیم بچے کو وظیفہ ملتا ہے؟ بولی "نہیں" فرمایا کہ

اُس کا نام وظیفہ خوار بچوں میں لکھ لو" فاطمہ نے کہا کہ "اگر میرے بچے کو دوبارہ مارے تو اس کے ساتھ خدا یہ سلوک کرے" بولے "تم نے اس کو گھبرا دیا"

ایک بار ایک شخص پر سخت برہم ہوئے، اور اس کو برہنہ کر کے کوڑے لگوانے چاہے، لیکن جب کوڑے لگانے کا وقت آیا تو بولے کہ اس کو رہا کر دو، اگر میں غصہ نہ ہوتا تو اس کو سزا دیتا، پھر یہ آیت پڑھی والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس[1]

صبر ایک زمانہ میں حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ پر دفعۃً مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا، یعنی اُن کے سب سے زیادہ محبوب لڑکے عبدالملک، سب سے زیادہ عزیز بھائی سہل بن عبدالعزیزؒ اور سب سے زیادہ وفادار خادم مزاحم نے چند ہی دنوں کے وقفہ میں انتقال کیا، لیکن حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ نے اس حالت میں صرف یہی نہیں کہ سر رشتہ صبر و سکون کو ہاتھ سے چھوٹنے نہ دیا، بلکہ اس موقع پر وہ استقامت دکھائی کہ لوگوں کو اُن کے ضبط و تحمل پر تعجب ہوا، وہ عبدالملک کو دفن کر رہے تھے کہ ایک شخص نے بائیں ہاتھ کا اشارہ کر کے کہا کہ "خدا امیرالمومنین کو اس صبر پر اجر دے" بولے "گفتگو میں بائیں ہاتھ سے اشارہ نہ کرو، داہنے سے کرو" اس نے کہا میں نے آج سے زیادہ تعجب انگیز واقعہ ہی نہیں دیکھا، ایک شخص اپنے محبوب ترین فرزند کو دفن کر رہا ہے، پھر اس کو داہنے بائیں ہاتھ کا بھی خیال ہے۔

لوگ اُن کی وفات پر تعزیت میں کتنے ہی رقت خیز فقرے استعمال کرتے لیکن وہ ان کے جواب میں ہمیشہ صبر و شکر کا اظہار فرماتے، ایک بار ربیع بن سمرہ اُن کے پاس آئے اور کہا کہ خداوند تعالیٰ آپ کو اجر جزیل دے، مجھے کوئی شخص نظر نہیں

[1] یہ تمام واقعات سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۱۶۷ تا ۱۷۸ میں ہیں۔

آتا کہ چند روز کے وقفہ میں اتنی عظیم الشان مصیبتوں میں مبتلا ہوا ہو، خدا کی قسم میں نے آپ کے بیٹے کا سا بیٹا، آپ کے بھائی کا سا بھائی اور آپ کے غلام کا سا غلام نہیں دیکھا، یہ سُن کر حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے گردن جھکا لی، ربیع کے پاس ایک شخص بیٹھا ہوا تھا اُس نے کہا تم نے امیر المؤمنین کو بے قرار کر دیا، اب حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے سر اُٹھایا، اور کہا کہ ربیع تم نے کیا کہا؟ انھوں نے دوبارہ انہی فقروں کا اعادہ کیا، بولے اُس ذات کی قسم جس نے اُن کی موت کا فیصلہ کیا، میں یہ نہیں پسند کرتا کہ یہ واقعات نہ ہوتے۔ عبد الملک کی وفات کے بعد جو خطبہ دیا اس میں کہا کہ بچپن سے آج تک وہ میرے دل کی مسرت اور آنکھوں کی ٹھنڈک تھے، لیکن آج سے زیادہ وہ میری آنکھوں میں کبھی خنک نہیں معلوم ہوئے ان کی وفات پر تمام محروسہ میں حکم بھیج دیا کہ ماتم و نوحہ نہ کیا جائے۔[1]

ورع و دیانت ایک خلیفہ کی حفاظت میں سب سے زیادہ اہم امانت جو آتی ہے وہ بیت المال یعنی خزانہ ہے، اس لئے اس کی دیانت کا اصلی معیار اسی کو قرار دیا جا سکتا ہے اور واقعات بتاتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی دیانت ہمیشہ اس معیار پر ٹھیک اُتری۔

وُہ رات کے وقت خلافت کا کام بیت المال کی شمع سامنے رکھ کر انجام دیتے تھے اور جب اپنا کام کرنا ہوتا تو اس شمع کو اٹھوا دیتے اور ذاتی چراغ منگوا کر کام کرتے۔[2] فرات بن مسلم ہر جمعہ کو ان کی خدمت میں سرکاری کاغذات پیش کیا کرتے تھے۔

[1] سیرت عمر بن عبد العزیزؒ ص ۲۶۴ و ۲۶۵

[2] طبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن عبد العزیزؒ ص ۲۹۵

ایک دن انھوں نے کاغذات دکھائے تو انھوں نے اس میں سے بقدر ایک بالشت کے سادہ کاغذ لے لیا، اور اپنے ذاتی کام میں لائے، چونکہ فرات کو اُن کی دیانت کا حال معلوم تھا، اس لئے انھوں نے دل میں کہا کہ امیر المؤمنین سے بھول چوک ہو گئی دوسرے دن انھوں نے مع کاغذات طلب کیا، وہ آئے تو اُن کو کسی دوسرے کام کے لئے بھیج دیا، وہ پلٹے تو بولے کہ اب تک تمھارے کاغذات کے دیکھنے کا موقع نہیں ملا، اس وقت جاؤ پھر بلا لوں گا، انھوں نے گھر جا کر کاغذات کھولے تو جتنا کاغذ کل لیا تھا اُتنا اُس میں موجود پایا۔

فقراء مساکین کے لئے بیت المال کے مصارف سے جو مہمان خانہ قائم کیا تھا اس سے نہ خود فائدہ اُٹھاتے تھے نہ خاندان میں کسی شخص کو فائدہ اُٹھانے دیتے تھے عام طور پر حکم دے رکھا تھا کہ ہمارے غسل اور وضو کا پانی مہمان خانہ کے باورچی خانہ میں گرم نہ کیا جائے، ایک بار اُن کی لاعلمی میں ملازم نے ایک ماہ تک وضو کا پانی مطبخ عام میں گرم کیا، اُن کو معلوم ہوا تو اتنی لکڑی خرید کر باورچی خانہ میں داخل کر دی۔[1]

ایک بار سرکاری کوئلہ سے گرم کیا ہوا پانی وضو کے لئے آیا، تو وضو کرنے سے انکار کر دیا۔

ایک بار غلام کو گوشت کا ایک ٹکڑا بھوننے کے لئے دیا وہ سرکاری باورچی خانہ سے بھون لایا، تو بولے کہ تمھیں کھاؤ، یہ تمھاری قسمت میں لکھا ہوا تھا، میری قسمت میں نہ تھا۔

ایک دن گھر میں آئے تو دیکھا کہ لونڈی ایک پیالے میں تھوڑا سا دودھ لئے

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن عبد العزیزؒ ص ۲۸۴ و ۲۸۵

ہوتے ہے، بولے یہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ آپ کی زوجہ حمل سے ہیں، اُن کو دُودھ کی
خواہش ہوئی، اور حمل کی حالت میں اگر عورت کے دل میں کوئی خواہش پیدا ہو اور
وُہ پوری نہ کی جائے تو اس سے اسقاطِ حمل کا اندیشہ ہو جاتا ہے، اس لئے میں
یہ دودھ دارالضیافتہ سے لائی ہوں، انھوں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور کھینچتے ہوئے
بی بی کے پاس لے گئے، اور کہا کہ اگر حمل فقراء اور مساکین کے کھانے کے سوا کوئی
چیز قائم نہیں رکھ سکتی تو خدا اس کو قائم نہ رکھے، اب بی بی نے لونڈی سے کہا
کہ اس کو واپس کر آؤ میں اُسے نہ کھاؤں گی[1]

یہ حالت دیکھ کر لوگوں نے کہا کہ اگر آپ خود مہمان خانہ کے کھانے سے احتراز
کریں گے تو اور لوگوں کو بھی احتراز ہوگا، اب وہ باورچی خانہ میں معاوضہ داخل
کرکے لوگوں کے ساتھ شریک طعام ہونے لگے۔

ایک بار انھوں نے اپنے غلام مزاحم سے کہا کہ مجھے ایک رحل خرید دو، وُہ
ایک رحل لائے جس کو انھوں نے بہت پسند کیا، اور بولے کہ اس کو کہاں سے
لائے؟ انھوں نے کہا کہ میں نے سرکاری مال خانے میں یہ لکڑی پائی، اور اسی کی یہ
رحل بنوائی، بولے جاؤ بازار میں اس کی قیمت لگواؤ، وہ گئے تو لوگوں نے نصف
دینار قیمت لگائی، انھوں نے پلٹ کر خبر دی تو انھوں نے کہا کہ تمھاری کیا رائے ہے،
ہم بیت المال میں ایک دینار داخل کردیں تو ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائیں گے؟
انھوں نے کہا کہ قیمت تو نصف دینار لگائی گئی، بولے بیت المال میں دو دینار
داخل کردو[2]

۱؎ طبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن عبدالعزیز رضؒ ص ۲۷۹ ۲؎ ایضاً ص ۲۷۰

ایک بار بیت المال سے مشک نکال کر ان کے سامنے رکھا گیا، انھوں نے اس
خوف سے کہ خوشبو دماغ میں پہنچ جائے گی، ناک بند کرلی، اس پر اُن کے ایک
ہمنشین نے کہا کہ اگر آپ خوشبو سونگھ لیتے تو آپ کا کیا بگڑتا؟ بولے مشک
خوشبو کے سوا اور کس فائدے کے لئے خریدا جاتا ہے۔

ایک بار ایک شخص نے اُن کی خدمت میں کھجوریں روانہ کیں، آدمی کھجوریں سامنے
لایا تو پوچھا کہ ان کو کس چیز پر لائے ہو؟ اُس نے کہا ڈاک کے گھوڑوں پر، چونکہ
ڈاک کا تعلق سرکاری چیزوں سے تھا، اس لئے حکم دیا کہ کھجوروں کو بازار میں
لے جاکر فروخت کر آؤ، وہ بازار میں آیا تو ایک مروانی نے ان کو خرید لیا اور پھر حضرت
عمر بن عبدالعزیزؒ کی خدمت میں ہدیۃً بھیجا، جب کھجوریں سامنے آئیں تو بولے کہ یہ تو
وہی کھجوریں ہیں، یہ کہہ کر کچھ سامنے کھانے کے لئے رکھ لیں اور کچھ گھر میں بھیج دیں
لیکن بیت المال میں قیمت داخل کردی۔

ایک بار انھوں نے لبنان کے شہد کا شوق ظاہر کیا، ابن معدی کرب یہاں کے
عامل تھے، اُن کی بی بی نے اُن کو کہلا بھیجا اور انھوں نے وہاں سے بہت سا شہد
بھیج دیا، شہد سامنے آیا تو بی بی کی طرف خطاب کرکے کہا کہ غالباً تم نے معدی کرب
کے ذریعہ سے منگوایا ہے، پھر اس کو فروخت کرواکر بیت المال میں قیمت داخل
کروادی، اور معدی کرب کو لکھا کہ اگر تم نے دوبارہ ایسا کام کیا تو میں تمھارا
منہ دیکھنا بھی پسند نہ کروں گا۔[2]

ایک بار اُن کی بی بی نے ڈاک کی سواری پر ایک آدمی کو روانہ کیا، اور وہ دو
دینار کا شہد خرید لایا، شہد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے سامنے آیا، اور یہ واقعہ معلوم

ہوا تو انھوں نے اس کو فروخت کر ڈالا، اور دو دینار واپس لے کر بقیہ قیمت بیت المال میں داخل کر دی اور کہا کہ تم نے مسلمانوں کے جانور کو عمر کے لئے تکلیف دی دوسری روایت میں ہے کہ انھوں نے کہا کہ اگر مسلمانوں کو میری قے سے فائدہ پہنچ سکتا تو میں قے کر دیتا۔

ایک بار سرکاری سیب تقسیم فرما رہے تھے، ان کا ایک صغیر السن بچہ آیا، اور ایک سیب اُٹھا کر کھانے لگا، اُنھوں نے سیب کو اس کے ہاتھ سے نہایت سختی کے ساتھ چھین لیا، بچہ روتا ہوا ماں کے پاس آیا، اُس نے بازار سے سیب منگا کر اس کو دیدیا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ گھر میں آئے، تو سیب کی خوشبو سونگھ کر بولے کہ کہیں سرکاری سیب تو گھر میں نہیں آئے، اُن کی بی بی نے واقعہ بیان کیا تو بولے کہ میں نے سیب اپنے بچے سے چھینا، تو گویا اپنے دل سے چھینا، لیکن مجھے یہ پسند نہ آیا کہ خدا کے سامنے مسلمانوں کے سیب کے لئے اپنے آپ کو برباد کر دوں۔

ایک بار اُن کی لڑکی نے ایک موتی بھیجا اور کہا کہ اس کا جوڑا بھیج دیجئے تاکہ میں کانوں میں ڈالوں، انھوں نے اس کے پاس آگ کی دو چنگاریاں بھیج دیں، اور کہا کہ اگر تم ان چنگاریوں کو کان میں ڈال سکو تو میں اُس موتی کا جوڑا بھیج دوں [1]

خناصرہ میں اگرچہ اگلے خلفاء نے بہت سے مکانات بنوائے تھے، لیکن چونکہ وہ بیت المال کی آمدنی سے تعمیر ہوئے تھے، اس لئے جب وہاں گئے تو اُن مکانات میں اُترنا پسند نہیں کیا، اور میدان میں قیام کیا [2]

[1] سیرت ابن عبدالحکم ص ۱۶۳ [2] یعقوبی جلد ۲ ص ۳۶۸

جرأت و آزادی خلافت سے پہلے اگرچہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ہمیشہ خلفاء کے ماتحت اور زیر اثر رہے، تاہم انھوں نے خلفاء کے سامنے ہر موقع پر اپنی آزادی کو قائم رکھا۔

ولید بن عبدالملک نے ان سے سلیمان بن عبدالملک کی بیعت فسخ کرانی چاہی تو انھوں نے صاف انکار کیا، اور کہا کہ اے امیر المؤمنین ہم نے ایک ساتھ دونوں کی بیعت کی ہے، اس لئے یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ اس کی بیعت فسخ کر دیں اور تمہاری قائم رکھیں۔

ایک بار حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور سلیمان بن عبدالملک کے غلاموں میں لڑائی ہوئی، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سلیمان کے پاس گئے، تو اس نے کہا یہ کیا بات ہے کہ تمہارے غلاموں نے ہمارے غلاموں کو مارا؟ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے کہا کہ مجھے آپ کے کہنے سے پیشتر اس واقعہ کی خبر نہ تھی، سلیمان نے کہا کہ آپ جھوٹ کہتے ہیں، بولے کہ تم کہتے ہو کہ میں جھوٹ کہتا ہوں، حالانکہ جب سے مجھے ہوش ہوا میں نے جھوٹ نہیں بولا، خدا کی زمین وسیع ہے جو آپ کی صحبت سے بے نیاز کر سکتی ہے یہ کہہ کر وہاں سے اُٹھے اور مصر کا ارادہ کیا، بالآخر سلیمان نے خود اُن کو منا کر بلایا۔

ایک بار سلیمان بن عبدالملک کے پاس اس کا بیٹا ایوب جس کو انھوں نے ولی عہد بنایا تھا بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ آئے تو ایک آدمی نے بعض خلفاء کی بیویوں کی وراثت طلب کی، سلیمان نے کہا کہ عورتیں جائداد نہیں پاتیں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے سُنا تو نہایت تعجب سے بولے، سبحان اللہ قرآن مجید کہاں ہے؟ سلیمان نے غلام کو بلایا اور کہا کہ عبدالملک نے اس کے متعلق جو تحریر لکھی ہے وہ اُٹھا لاؤ، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے طنزاً یہ کہا کہ گویا تم قرآن منگواتے ہو، ایوب

نے یہ طعنہ سنا تو بولا کہ امیر المومنین کی خدمت میں اگر کوئی شخص اس قسم کی باتیں کریگا تو ممکن ہے کہ دم زدن میں اس کی گردن اُڑا دی جائے۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ بولے کہ اگر تم خلیفہ ہو گئے تو رعایا کو اس سے بھی زیادہ صدمہ پہنچے گا۔ سلیمان نے یہ گفتگو سنی تو ایوب کو ڈانٹا، کہ عمر سے اس قسم کی باتیں کرتے ہو، حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے کہا کہ ہم نے بھی تو کھری کھری سنائی۔

اسی جرأت وآزادی کا یہ نتیجہ تھا کہ وہ خلفاء کو ہر قسم کی اخلاقی نصیحتیں کرتے تھے، اور اُن کی ناراضی کی اُن کو مطلق پروا نہیں ہوتی تھی، چنانچہ انھوں نے ایک بار عبد الملک بن مروان کو ایک خط میں لکھا کہ:

"تو ایک چرواہا ہے، اور ہر چرواہے سے اس کے مویشیوں کے متعلق سوال ہوگا، انس بن مالکؓ نے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ خدائے واحد تم سب کو قیامت کے دن جمع کرے گا، اور خدا سے زیادہ صادق البیان کون ہو سکتا ہے۔"

ایک بار سلیمان بن عبد الملک حج کے لئے روانہ ہوا، حضرت عمر بن عبد العزیزؓ بھی ساتھ تھے، مقام عسفان کے قریب پہنچ کر اس نے اپنا لاؤ لشکر اور خیمہ وخرگاہ دیکھا تو عجب وغرور کے نشہ میں حضرت عمر بن عبد العزیزؓ سے پوچھا کہ تم کو یہ چیزیں کیسی نظر آتی ہیں؟ بولے مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دنیا دنیا کو کھا رہی ہے، تم سے اس کا سوال اور مواخذہ کیا جائے گا۔"

عرفات میں قیام کیا تو بادل آیا اور بجلی اس زور سے چمکنے لگی کہ سلیمان سہم کر

اونٹ کے کجاوے پر سرنگوں ہوگیا، حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے کہا کہ یہ بادل تو رحمت لے کر آیا ہے، اگر عذاب لے کر آیا ہوتا تو کیا حال ہوتا؟ اس کے بعد سلیمان نے مجمع کی طرف دیکھ کر کہا کہ کتنے آدمی جمع ہیں؟ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے کہا کہ یہ تمہارے فریق ہیں۔

ایک صحرا میں اسی قسم کا ایک اور واقع پیش آیا تو سلیمان نے گھبرا کر ایک لاکھ درہم حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کو صدقہ کرنے کے لئے دیئے کہ اس کی برکت سے رعد وبرق کی یہ آفت ٹل جائے، حضرت عمرؓ بن عبد العزیز نے کہا اس سے بہتر ایک کام ہے، سلیمان نے کہا وہ کیا؟ بولے بعض لوگ جن کی جائداد مغصوبہ تمہارے پاس ہے انھوں نے تمہارے ساتھ آنا چاہا، لیکن اب تک نہ پہنچ سکے، سلیمان نے اُن کے تمام مال وجائداد واپس کر دیئے[1]

وقار متانت اور سنجیدگی کی وجہ سے شور وغل کو نہایت ناپسند کرتے تھے ایک بار ایک شخص نے اُن کے پاس بلند آواز سے گفت گو کی تو فرمایا، کہ یہ صرف کافی ہے کہ انسان کی بات اس کا ہم نشین سن لے۔

مذاق کو نہایت ناپسند کرتے تھے، ایک بار خاندان بنو امیہ کے چند لوگ جمع ہوئے، اور اُن کے سامنے ظرافت آمیز گفتگو شروع کی، بولے تم لوگ اسی لئے جمع ہوئے ہو؟ صحبتوں میں قرآن مجید کے متعلق گفتگو کرو ورنہ کم از کم شریفانہ باتیں تو ضرور ہونا چاہئیں[2]

[1] یہ تمام واقعات سیرت عمر بن عبد العزیزؓ کے آٹھویں باب میں مذکور ہیں۔

[2] سیرت عمر بن عبد العزیزؓ ص ۶۳

جن اعضاء کے نام لینے سے شرم آتی ہے اُن کا نام نہیں لیتے تھے ایک بار بغل میں پھوڑا نکلا، لوگوں نے پوچھا کہ کہاں پھوڑا نکلا ہے؟ چونکہ بغل کا نام لینا پسند نہیں کرتے، اس لئے کہا کہ میرے ہاتھ کے بطن میں[1]

اسی طرح ایک شخص نے ایک صحبت میں کسی سے کہا کہ تیری بغل کے نیچے، بولے اس سے بہتر طریقے سے گفتگو کیوں نہیں کرتے، لوگوں نے کہا وہ کیا؟ فرمایا ہاتھ کے نیچے کہنا زیادہ بہتر ہے۔[2]

رحمدلی | مزاج میں نہایت رحم تھا، ایک بار ایک بدو نے پُر درد الفاظ میں اپنی حاجت کا اظہار کیا، تو رو پڑے، یہ رحم صرف انسانوں تک محدود نہ تھا بلکہ اُن کو جانوروں تک کی تکلیف گوارا نہ تھی، اُن کے پاس ایک خچر تھا جس کو اُن کا غلام کرایہ پر چلاتا تھا، کرایہ کی آمدنی معمولاً روزانہ ایک درہم تھی، ایک دن غلام ڈیڑھ درہم لایا، تو بولے کہ یہ اضافہ کیونکر ہوا؟ اُس نے کہا آج بازار تیز تھا بولے نہیں، تم نے جانور سے زیادہ کام لیا، اس کو اب تین دن آرام لینے دو۔[3]

ڈاک کے جانوروں کے متعلق حکم دیا تھا کہ ان کے کوڑے کی نوک میں چبھنے والا لوہا نہ لگایا جائے، اور اُن کے منہ میں بھاری لگام نہ دی جائے۔[4]

مصر کے عامل حیان کو لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ مصر میں باربرداری کے اونٹوں پر ہزار رطل وزن کا بوجھ لادا جاتا ہے، اب میرے اس خط کے پہنچنے کے بعد مجھ کو یہ نہ معلوم ہو کہ کسی اونٹ پر چھ سو رطل سے زیادہ کا بوجھ لادا گیا۔[5]

---

[1] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۴۴ [2] ایضاً ص ۱۴۲ [3] ایضاً ص ۹۷ [4] کتاب الخراج ص ۱۱۵ [5] سیرۃ ابن عبدالحکم ص ۱۶۶

شرم وحیا | مزاج میں سخت شرم وحیا تھی، حمام میں جاتے تھے تو بعض خدام اور بعض بچوں کے سوا اندر کوئی نہیں جا سکتا تھا۔[1]

نصیحت پذیری | سلاطین کو خود بینی، پند وموعظت کے قبول کرنے سے باز رکھتی ہے، لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایک اثر پذیر دل پایا تھا، اور اس کے ساتھ اُن کو یقین تھا کہ خلافت کا بوجھ ایک ایسا بوجھ ہے جو اگر دیانت کے ساتھ اُٹھایا جائے تو تنہا نہیں اُٹھ سکتا، اس لئے وہ علماء سے نصیحت کے طالب ہوتے تھے، اور انکی نصیحتوں سے شدت کے ساتھ متاثر ہوتے تھے، ایک بار امام حسن بصری کو لکھا کہ مجھے اختصار کے ساتھ نصیحت کیجئے، چنانچہ اُنھوں نے مختصر الفاظ میں نصیحتیں کیں۔

ایک بار تمام فقہائے عراق کو اس غرض سے طلب فرمایا، سب لوگ آئے لیکن امام بصریؒ نے علالت کا عذر کیا، اور ایک نصیحت آمیز خط بھیجا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو وہ خط ملا، تو آنکھوں سے لگایا، اور اس کے مضمون سے اس قدر متاثر ہوئے کہ رو پڑے۔

جب خلیفہ ہوئے تو حضرت سالم بن عبداللہ اور محمد بن کعب اُن کے پاس گئے وہ باری باری دونوں سے نصیحت کے طالب ہوئے، انھوں نے نصیحتیں کیں تو شدتِ تاثیر سے رو پڑے، ایک بار ان کے سامنے آتشدان رکھا ہوا تھا، اسی حالت میں ایک شخص آیا تو اس سے اُنھوں نے نصیحت کی درخواست کی، اس نے نصیحت کی تو اس قدر روئے کہ آتشدان کی آگ آنسوؤں سے بجھ گئی۔[2]

بعض علماء خود جاتے اور اُن سے نصیحت کرنے کی خواہش کرتے، وہ بخوشی اجازت

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۶۵ [2] سیرت ابن عبدالحکم ص ۱۰۹

دیتے، اور وہ نصیحت کرتے، ایک بار ابن اہتم اُن کی خدمت میں گئے، اور کہا کہ آپ کو مسرور کردوں، بولے "نہیں"، کہا نصیحت کردوں، بولے ہاں، چنانچہ انھوں نے ایک عام خطبہ دیا جس میں خصوصیت کے ساتھ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی طرف خطاب کیا۔

علماء نے اُن کو جو نصائح کیے ہیں اُن سب کو علامہ ابن جوزی نے اپنی کتاب کے اکیسویں باب میں جمع کر دیا ہے لیکن نہایت افسوس ہے کہ یہ مجموعۂ پند و موعظت ایک ایسے شخص کے لئے موزوں نہیں ہے جو دیندار ہونے کے ساتھ دنیادار بھی ہو، ان نصیحتوں میں اُس دنیا کا تو بہت ذکر آیا ہے لیکن اِس عالم سے آنکھیں بند کرلی ہیں، حالانکہ ایک خلیفہ یا بادشاہ کی اصلی سعادت گاہ یہی دنیا ہے۔

زہد و تقشف خلافت کے سلسلے نے سلیمان بن عبد الملک تک پہنچ کر قیصر و کسریٰ کا قالب اختیار کر لیا تھا، اور خود حضرت عمر بن عبد العزیزؓ خلافت سے پہلے اسی ٹھاٹھ کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے، چنانچہ علامہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں۔

كان اذ ذاك لا يذكر بكثير	وہ اس وقت عدل و زہد میں کچھ ایسے
عدل ولا زهد	مشہور نہ تھے۔

مدینہ کے گورنر مقرر ہو کر روانہ ہوئے، تو ۳۰ اونٹ ذاتی ساز و سامان سے لدے ہوئے ساتھ تھے، رجاء بن حیوۃ کا بیان ہے۔

كان عمر بن عبد العزيز من	عمر بن عبد العزیزؒ سب سے زیادہ خوش پوشاک
اعطر الناس والبس الناس	سب سے زیادہ خوشبو لگانے والے اور سب سے
واخيلهم في مشيته [1]	زیادہ مغرورانہ انداز سے چلنے والے تھے

[1] سیرۃ عمر بن عبد العزیز ص ۱۵۱

سیرۃ ابن عبد الحکم صفحہ ۲۱ میں ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ امویوں میں سب سے زیادہ عیش پسند تھے جس راستے سے گذرتے اس میں خوشبو پھیل جاتی، ان کی مغرورانہ چال کا نام ہی عمری چال پڑ گیا تھا، اور اس کے حسن اور تبختر سے لونڈیاں اس کی نقل کرتی تھیں، خلیفہ ہونے کے بعد انھوں نے سب کچھ چھوڑ دیا، لیکن اس چال کو نہ چھوڑ سکے، اُن کی تہ بند اس قدر نیچے لٹکتی تھی کہ جوتے کے اندر داخل ہو جاتی تھی، چادر کا کونہ شانے سے گر جاتا تھا، لیکن وہ اس کو نہیں ہٹاتے تھے، مہر چربی کے بجائے عنبر سے لگاتے تھے۔

اُن کی خوشبو میں بوریوں لونگ ڈالی جاتی تھی، اور داڑھی پر نمک کی طرح عنبر چھڑکتے تھے [1]

رباح بن عبیدہ کہتے تھے کہ گورنری مدینہ کے زمانہ میں انھوں نے مجھے ایک جبہ خریدنے کا حکم دیا، میں دس اشرفی پر خرید لایا، تو اس کو چھو کر بولے کہ مجھے اس میں کرختگی محسوس ہوتی ہے [2] خود حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کو اپنی عیش پرستی کا اعتراف تھا، چنانچہ فرماتے ہیں۔

ثم تاقت نفسي الى اللبس و	پھر مجھے لباس، خوشبو اور عیش پرستی کا شوق
العيش والطيب فما علمت ان	پیدا ہوا تو میری دانست میں نہ میرے
احدا من اهل بيتي ولا غيرهم	خاندان میں اور نہ دوسرے خاندان میں
كان في مثل ما كنت فيه	کوئی شخص اس طرح امیرانہ زندگی بسر
(سیرۃ عمر بن عبد العزیز ص ۶۶)	کرتا تھا جس طرح کرمیں۔

[1] سیرت عمر بن عبد العزیزؒ ص ۱۵۰ و ۱۵۱ [2] ایضاً ص ۱۵۰

لباس کے متعلق خود اُن کا بیان ہے کہ جب میرے کپڑوں کو لوگ دیکھ لیتے تھے تو میں سمجھتا تھا کہ پُرانا ہو گیا۔[1]

لیکن خلیفہ ہونے کے ساتھ ہی اُن کی حالت میں دفعۃً انقلاب پیدا ہوا پہلے وہ عمر بن عبدالعزیز تھے، اب عمر بن الخطاب ہو گئے، حسن بصریؒ ہو گئے، امام زہری ہو گئے، چنانچہ علامہ ذہبی ان کی قدیم حالت کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

ولکن تجدد له لما استخلف	لیکن جب خلیفہ ہوئے تو خداوند تعالیٰ
وقلبه الله فصار بعد فی حسن	نے ان کو بالکل نئے قالب میں بدل دیا
السیرة والقیام بالقسط مع	اب وہ عدل و انصاف میں اپنے نانا عمر
جده لامه عمر وفی الزهد	کے زہد میں حسن بصری کے اور علم میں
مع الحسن البصری وفی العلم	امام زہری کے مثل ہو گئے
مع الزهری	

* * *

رجاء بن حیوۃ جنھوں نے اُن کی قدیم حالت کو دیکھا تھا، فرماتے ہیں کہ خلیفہ ہونے بعد اُن کے لباس یعنی عمامہ، قمیص، قبا، کُرتہ، موزہ، اور چادر وغیرہ کی قیمت لگائی گئی تو صرف ۱۲ درہم ٹھہری۔[2]

رباح بن عبیدہ جنھوں نے دس اشرفی کا جبہ خرید کر اُن کے سامنے پیش کیا تھا اور اُن کو کرخت معلوم ہوتا تھا، اُن کا بیان ہے کہ خلافت کے بعد میں اُن کے لئے اُن کا ایک جبہ صرف ایک اشرفی پر خرید کر لایا تو انھوں نے اس کو دیکھ کر کہا کہ کس قدر نرم ہے۔[3]

۱؎ سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۴۶ ۲؎ ایضاً ص ۱۴۶ ۳؎ ایضاً ص ۱۵۰ یہی روایت کسی قدر اختلاف کے ساتھ سیرت ابن عبدالحکم ص ۴۸ میں موجود ہے۔

اُن کا بیان تھا کہ میرا دل خوشبودار لباس کا مشتاق ہوا تو میں نے اس معاملہ میں اپنے تمام خاندان پر تفوق حاصل کیا، لیکن اس کے بعد خود اُن کا بیان ہے کہ میرا دل آخرت کی طرف مائل ہوا، اور اب میں آخرت کو دنیا کے مقابل میں برباد کرنا نہیں چاہتا۔[1]

یونس بن شبیب جنھوں نے اُن کو خلافت سے پہلے اس حالت میں دیکھا تھا کہ توند نکلی ہوئی تھی، اُن کا بیان ہے کہ خلافت کے بعد اگر میں گننا چاہتا تو بغیر چھوئے ہوئے اُن کی پسلیوں کو گن سکتا تھا۔[2]

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ جس وقت بادشاہ نہ تھے اُس وقت سب سے بڑے بادشاہ تھے، اور جس وقت تاجِ خلافت سر پر رکھا تو بالکل راہب ہو گئے خدم و حشم، عطر و لباس اور دوسرے سامانِ آرائش کو ۲۳ ہزار دینار پر فروخت کر کے خدا کی راہ میں دیدیا۔[3] چنانچہ جب اصطبل خانوں کے داروغہ آئے اور گھوڑوں اور سائیسوں کا خرچ مانگا تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے اُن کو مختلف صوبوں میں بھیج دیا کہ فروخت کر کے اُن کی قیمت خدا کی راہ میں دیدی جائے، غلاموں کے لئے تنخواہ وغیرہ کا سوال ہوا تو تمام صوبوں کے اندھے اپاہج اور یتیم جمع کر کے، اور ان غلاموں کو اُن پر تقسیم کر دیا[4] اور خود وہ ابراہیم ادہم بن گئے جن کا اثر ان کے تمام مظاہر زندگی سے نمایاں ہوتا تھا۔

لباس کپڑا نہایت سادہ اور معمولی درجہ کا پہنتے تھے اور ان میں متعدد پیوند لگے رہتے تھے ایک بار قمیص کے گریبان میں آگے اور پیچھے دونوں طرف پیوند لگے ہوتے تھے۔ نماز

۱؎ سیرت عمر بن عبدالعزیز رضؓ ص ۶۲ ۲؎ ایضاً ص ۱۵۲ ۳؎ طبقات ابن سعد ص ۵۴
۴؎ سیرت عمر بن عبدالعزیز رضؓ ص ۱۵۴، ۱۵۵

جمعہ پڑھا کر بیٹھے تو ایک شخص نے آکر کہا کہ اے امیر المومنین خدا نے آپ کو سب کچھ دیا ہے "کاش آپ عمدہ کپڑے پہنتے" یہ سن کر تھوڑی دیر تک گردن جھکالی، پھر سر اُٹھا کر کہا کہ میانہ روی تموّل کی حالت میں اور عفو و درگزر قدرت کی حالت میں بہتر ہے[1]

ایک شخص کا بیان ہے کہ میں نے اُن کو ایک ایسی قمیص پہنے ہوئے دیکھا جس کے پورے دونوں شانوں کے درمیان پیوند لگا ہوا تھا[2]

اکثر اوقات جسم پر صرف ایک کپڑا رہتا تھا اور اسی کو بار بار دھو کر پہنتے تھے، میمون کا بیان ہے کہ انھوں نے ایک چادر ۶ مہینے تک نہیں بدلی، وہی ہر جمعہ کو دھوئی جاتی تھی، اور اس پر زعفران کا رنگ دیدیا جاتا تھا[3] ایک روز جمعہ کے دن مسجد کے جانے میں دیر ہوئی کسی نے تاخیر کی وجہ پوچھی تو بولے کہ غلام کپڑے دھونے کو لے گیا تھا اور اس کے سوا کوئی دوسرا کپڑا نہ تھا[4]

مسلمہ کا بیان ہے کہ میں مرض الموت میں ان کی عیادت کو گیا تو دیکھا کہ ایک میل سی پھٹی ہوئی قمیص پہنے ہوئے ہیں، انھوں نے اُن کی بی بی فاطمہ سے کہا کہ امیر المومنین کی قمیص دھو ڈالو، دوسرے روز گئے تو بدن پر پھر وہی قمیص نظر آئی، بولے کہ میں نے تم کو قمیص اس لئے دھونے کو کہا کہ لوگ عیادت کو آتے ہیں، بولیں اس کے سوا ان کے پاس کوئی قمیص ہی نہیں[5]

غذا غذا نہایت معمولی کھاتے تھے، ایک بار صبح کو گھر سے دیر میں نکلے، اس لئے اہل صحبت کو خیال ہوا کہ کسی پر ناراض تو نہیں ہیں، ان کو اس کی اطلاع ہوئی تو بطور

۱ سیرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ ص ۱۴۶ ۲ ایضاً ص ۸ ۳ طبقات ص ۲۹۶
۴ سیرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ ص ۱۵۴ ۵ ایضاً ص ۱۵۳

معذرت کے کہا کہ رات میں نے مسور اور چنے کی دال کھائی، اس لئے نفخ ہو گیا اہل مجلس میں ایک صاحب بولے کہ اے امیر المومنین خداوند تعالیٰ تو اپنی کتاب میں کہتا ہے۔

کلوا من الطیبات ما رزقناکم — ہم نے تم کو جو کچھ دیا ہے ان میں سے بہتر چیزیں کھاؤ۔

بولے افسوس! تم نے اُلٹے معنی لئے، اس سے مراد وہ مال ہے جو کسب حلال سے حاصل کیا جائے۔ لذیذ کھانا مراد نہیں[1]

محمد بن زبیر الحنظلی کا بیان ہے کہ میں ایک شب اُن کے پاس گیا تو دیکھا کہ، روٹی کے ٹکڑے زیتون کے تیل کے ساتھ کھا رہے ہیں[2]

ایک دن انھوں نے اندر گھر میں ایک شخص کو بلا لیا، وہ اندر پہنچا تو دیکھا کہ ایک دسترخوان پر ایک طشت رومال سے ڈھکی ہوئی رکھی ہے اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ نماز پڑھ رہے ہیں، نماز پڑھ چکے تو دسترخوان کو سامنے کھینچ کر کہا کہ آؤ کھاؤ، کہاں وہ مصر و مدینہ کی زندگی اور کہاں یہ زندگی، یہ کہہ کر رو پڑے اور پھر کچھ نہ کھایا[3]

ایک بار اُن کے خادم کو دال کھانے کے لئے ملی، تو بولا روز روز دال اس کی سیدہ نے کہا کہ تمہارے آقا امیر المومنین کی بھی یہی غذا ہے[4] لیکن یہ معمولی غذا بھی زمانہ خلافت میں کبھی پیٹ بھر کر نہیں کھائی[5]

مکان قصر و محل لازمہ امارت ہیں، لیکن انھوں نے عمر بھر ذاتی حیثیت سے

۱ طبقات ابن سعد ص ۲۷۰ ۲ ایضاً ص ۲۷۴ ۳ سیرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ ص ۱۵۹
۴ ایضاً ص ۱۵۲ ۵ طبقات ابن سعد ص ۲۵۴

کوئی عمارت تعمیر نہیں کی، فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہی ہے آپ
دنیا سے رخصت ہوئے اور اینٹ کو اینٹ پر اور شہتیر کو شہتیر پر نہیں رکھا[1] یہاں
تک کہ گھر میں ایک بالاخانہ تھا، جس کے زینے کی ایک اینٹ ہلتی تھی، جس سے اترنے
چڑھتے وقت گرنے کا خوف معلوم ہوتا تھا، ایک دن اُن کے غلام نے اس کو مٹی
سے جوڑ دیا، وہ چڑھے تو اس کی حرکت محسوس نہیں ہوئی، غلام سے پوچھا تو اس نے
واقعہ بیان کیا، بولے مٹی کو اکھیڑ ڈالو، میں نے خدا سے عہد کیا تھا کہ اگر خلیفہ ہوں گا
تو ایک اینٹ بھی دوسری اینٹ پر نہ رکھوں گا[2]

گھر میں کسی قسم کا ساز و سامان نہ تھا، ایک بار عراق سے ایک عورت آئی اور
اُن کے گھر میں جا کر دیکھا کہ کسی قسم کا ساز و سامان نہیں ہے، بولی کہ میں اسی ویران
گھر سے اپنا گھر آباد کرنے آئی ہوں! اُن کی بی بی فاطمہ نے کہا کہ تمھیں جیسے لوگوں
کی گھر کی آبادی نے اس گھر کو ویران کر رکھا ہے، اس کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ
آئے اور اس نے اپنی پانچ لڑکیوں کی ناداری بیان کی تو اُن میں چار کا وظیفہ
مقرر کر دیا[3]

اہل و عیال بی بی سے بالکل علاحدگی اختیار کر لی تھی، اُن کی بی بی فاطمہ کا بیان
ہے کہ خلیفہ ہونے کے بعد اُن کو کبھی غسلِ جنابت کی ضرورت نہیں ہوئی ہیں نے
ایک بار کسی فقیہہ کے یہاں کہلا بھیجا کہ امیر المومنین جو کر رہے ہیں یہ جائز نہیں ہے
وہ بی بی سے بالکل تعلق نہیں رکھتے، انھوں نے اُن سے ذکر کیا تو بولے کہ جس کی گردن
پر تمام اُمتِ محمدیہ کا بوجھ ہو اور قیامت کے دن اُس کا مواخذہ کیا جائے،

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۱۵۱ [2] ایضاً ص ۱۵۰ [3] سیرت ابن عبدالحکم ص ۱۷۷

وہ کیونکر ان تعلقات کو قائم رکھ سکتا ہے؟

لونڈیاں جو تھیں ان کو اختیار دے دیا تھا کہ جس کا جی چاہے آزاد ہو جائے
اور جو رہنا چاہیں وہ رہیں لیکن ان کو ان سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا[1]

روزانہ خرچ کل دو درہم تھا[2]، جس کا بار کبھی بیت المال پر نہیں ڈالا، ذاتی آمدنی
جو کچھ تھی وہ بھی خلافت کے بعد کم ہو گئی، کیونکہ اموالِ مغصوبہ کی واپسی کے سلسلہ
میں انھوں نے سب سے پہلے خود اپنی جائدادیں واپس کیں، جس وقت خلیفہ ہوئے تھے
اُن کی جائداد کا منافع پچاس ہزار دینار تھا، لیکن وفات کے وقت گھٹ کر دو سو دینار
رہ گئی[3]، ایسی حالت میں اہل و عیال عسرت کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔

ایک بار عبداللہ بن زکریا اُن کے یہاں گئے اور ان کے اہل و عیال کی تنگدستی
کو دیکھ کر اُن کا دل بھر آیا، بولے کہ یا امیر المومنین! آپ اپنے عمال کو سو سو دینار
بلکہ اس سے بھی زیادہ مشاہرہ دیتے ہیں، بولے اگر وہ قرآن و حدیث کے مطابق
عمل کریں تو یہ بہت کم ہے میں ان کو معاش کے جھگڑوں سے بالکل نجات دلانا
چاہتا ہوں۔ انھوں نے کہا کہ جب یہ جائز ہے اور جب کہ آپ خود اُن سے زیادہ
کام کرتے ہیں تو آپ بھی مشاہرہ لیجیے اور اپنے اہل و عیال کو فارغ البال کیجیے
کیونکہ وہ بہت محتاج ہیں بولے کہ تم نے یہ ہماری ہمدردی اور بھلائی کی نیت
سے کہا ہے، پھر بایاں ہاتھ داہنے ہاتھ پر رکھ کر بولے لیکن یہ گوشت کل کا کل خدا
کے مال سے پیدا ہوا ہے اور اب میں خدا کے مال سے اس میں کوئی اضافہ نہیں کرنا چاہتا۔

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۲۹۳ [2] تاریخ الخلفاء ص ۲۲۷ [3] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۲۷۲
ایک روایت میں ہے کہ خلافت کے وقت ان کی جائداد کا منافع ۴۰ ہزار تھا جو گھٹ کر ۴ ہزار دینار رہ گیا۔

ایک بار گھر میں ضروریاتِ معاش کے لئے کچھ نہ تھا، اُن کے غلام مزاحم سخت پریشان ہوئے، کہ کیا انتظام کیا جائے، مجبوراً ایک شخص سے پانچ دینار قرض لئے یمن کی جائداد کا منافع آیا تو وہ نہایت خوش ہو کر اُس کے پاس گئے کہ ابھی قرض ادا کرتا ہوں، یہ کہہ کر گھر میں گئے تو سر پہ ہاتھ رکھ کر نکلے، اور کہا کہ خدا امیر المؤمنین کو اجر دے خدا امیر المؤمنین کو اجر دے، اس رقم کو بھی جو اُن کی ذاتی رقم تھی بیت المال میں داخل کر دیا[1]

ایک بار گھر میں گئے اور بی بی سے کہا کہ ایک درہم ہے میں انگور خریدنا چاہتا ہوں؟ بولیں نہیں، فرمایا ایک پیسہ ہوگا؟ انھوں نے غصہ کے لہجہ میں جواب دیا کہ تم امیر المؤمنین ہو کر ایک درہم بلکہ ایک پیسہ کی بھی مقدرت نہیں رکھتے؟ بولے جہنم کی ہتکڑیوں سے یہ زیادہ آسان ہے[2]

بچوں سے اگرچہ بہت زیادہ محبت رکھتے تھے لیکن اس محبت کا اظہار کبھی دنیوی زیب و زینت اور عیش و عشرت کی صورت میں نہیں ہوتا تھا، ایک بار انھوں نے اپنی لڑکی آمنہ کو نہایت پیار سے پاس بلایا، لیکن وہ نہ آئی، اب ایک آدمی کو بھیج کر بلوایا، اور نہ آنے کی وجہ پوچھی، اس نے کہا میرے پاس کپڑا نہ تھا، مزاحم کو حکم دیا کہ فرش کو پھاڑ کر اس کے لئے ایک قمیص تیار کر وادو، حسنِ اتفاق سے لڑکی کی پھوپھی ام البنین نہایت دولت مند تھیں، ایک آدمی اُن کے پاس گیا، اور واقعہ بیان کیا، انھوں نے ایک تھان کپڑا بھیج دیا اور کہا کہ عمر سے کچھ نہ مانگو[3]

ایک بار اُن کے صاحبزادے عبداللہ آئے اور کپڑے مانگے انھوں نے ان کو خیار

[1] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۱۶۴ [2] ایضاً ص ۱۵۴ [3] ایضاً ص ۲۷۵

بن رباح بصری کے پاس بھیج دیا، کہ ہمارے کپڑے وہاں رکھے ہوئے ہیں، وہ گئے تو خیار نے گاڑھے کپڑے نکال کر سامنے رکھ دیئے اور کہا کہ جس قدر ضرورت ہو لے لو، انھوں نے کہا کہ یہ میری اور میرے خاندان کی پوشش نہیں ہے، انھوں نے کہا کہ امیر المؤمنین کے یہی کپڑے ہیں، جو میرے پاس ہیں، عبداللہ پلٹے اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ سے واقعہ بیان کیا، تو بولے کہ ہمارے پاس تو یہی کپڑے ہیں، اب انھوں نے مایوس ہو کر پلٹنا چاہا تو بولے کہ اگر لینا چاہو تو میں تمہارے وظیفہ میں سے سو دینا پیشگی دلوا سکتا ہوں، وہ راضی ہو گئے تو انھوں نے سو اشرفیاں دلوا دیں، لیکن جب وظیفہ تقسیم ہوا تو اس کو مجرا لے لیا[1]

اُن کی اولاد میں اگر کوئی بیش قیمت چیز کا استعمال کرتا، تو اس کو بھی منع کرتے ایک بار اُن کے صاحبزادے نے انگوٹھی بنوائی، اور اس کے لئے ہزار درہم کا نگینہ خریدا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کو معلوم ہوا تو لکھا کہ اس انگوٹھی کو فروخت کر ڈالو اور اس رقم سے ہزار بھوکوں کا پیٹ بھرو، اور ایک لوہے کی انگوٹھی خرید کر اس پر یہ عبارت کندہ کرالو "خدا اس شخص پر رحم کرے جس نے اپنی قدر پہچانی"[2]

وہ معمولاً عشا بعد اپنی لڑکیوں کے یہاں جایا کرتے تھے، ایک رات گئے، اور لڑکیوں نے آنے کی آہٹ پائی، تو ہاتھ سے اپنے منہ بند کر کے دروازے تک آئیں انھوں نے اس کی وجہ پوچھی تو معلوم ہوا کہ اُن کے پاس شب کے کھانے میں مسور کی دال اور پیاز کے سوا کچھ نہ تھا، اس لئے انھوں نے یہ پسند نہیں کیا کہ آپ اُن کی ناگوار بو سونگھیں، اس پر وہ رو پڑے اور کہا کہ اے میری لڑکیو! تم کو اس سے

[1] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز رح ص ۲۷۳ [2] ایضاً ص ۲۷۵

کیا فائدہ ہوگا کہ تم طرح طرح کے کھانے کھاؤ، اور تمہارا باپ دوزخ کی آگ میں جھونک دیا جائے، یہ سُن کر تمام لڑکیاں چیخ مار کر رو پڑیں[1]

تقویٰ و تورّع بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو بظاہر جائز معلوم ہوتی ہیں، لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو وہ بھی شبہہ سے خالی نہیں ہوتیں، تقویٰ و تورّع کا تعلق اِن ہی چیزوں سے ہے، اور بہت کم لوگ ان سے اجتناب کرتے ہیں لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز میں یہ وصف بدرجۂ اتم موجود تھا، اگر کبھی ذمیوں کے یہاں مہماں ہوتے اور وہ لوگ دودھ اور ترکاری لاتے، تو اُن سے زیادہ معاوضہ دے کر اُن چیزوں کو استعمال میں لاتے اور اگر وہ معاوضہ لینے سے انکار کرتے، تو ان چیزوں کو استعمال نہ کرتے، لیکن اگر کوئی مسلمان کوئی چیز ہدیۃً دیتا تو اس کو سرے سے قبول نہیں کرتے۔

ایک بار انھوں نے سیب کی خواہش کی، اُن کے خاندان کا ایک شخص اُٹھا، اور اُن کی خدمت میں ایک سیب ہدیۃً بھجدیا، آدمی سیب لے کر آیا تو اس کو قبول تو نہیں کیا، لیکن اخلاقاً فرمایا کہ جاکر کہہ دو کہ آپ کا ہدیہ پسند خاطر ہوا، اس نے کہا یہ تو گھر کی چیز ہے، آپ کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ہدیہ قبول فرماتے تھے، بولے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے لیے ہدیہ بے شبہہ ہدیہ تھا، لیکن وہ ہمارے لئے رشوت ہے[2]

توکّل حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کو توکل علی اللہ نے تمام خطرات سے بے پروا کر دیا تھا ایک بار ان سے بہت سے لوگوں نے کہا کہ آپ کھانا دیکھ بھال کر کھائیں نماز پڑھیں تو ساتھ ساتھ پہرہ دار رکھیں، کہ کوئی شخص حملہ نہ کر بیٹھے، طاعون میں جیسا کہ تمام

[1] سیرۃ ابن عبدالحکم ص ۵۵ [2] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۱۹۲ [3] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز رحؒ ص ۱۴

خلفاء کا طریقہ تھا کہ، باہر نکل جائیں، بولے کہ آخر وہ لوگ کیا ہوئے؟ جب ان لوگوں نے سخت اصرار کیا تو فرمایا کہ خداوندا اگر تیرے علم میں روز قیامت کے سوا، اور کسی دن سے ڈروں، تو میرے خوف کو اطمینان نہ دے[1]

چونکہ خوارج کے ناگہانی حملوں سے تمام خلفاء کی زندگی غیر محفوظ ہوگئی تھی، اس لئے خلفاء کی حفاظت کے لئے بہ کثرت پہرہ دار رہتے تھے، جس کی ابتدا حضرت امیر معاویہؓ نے کی تھی، حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے اگرچہ کلیۃً ان پہرہ داروں کو معزول نہیں کیا تاہم اُن سے صاف صاف کہہ دیا کہ میں تم سے بالکل بے نیاز ہوں، تقدیر الٰہی میری حفاظت کے لئے کافی ہے تم میں جس کا جی چاہے رہے جس کا جی چاہے چلا جائے[2]

پاسِ خاندان حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ اگرچہ مذہبی حیثیت سے اپنے خاندان کے آئینِ جہاں بانی کو ناپسند کرتے تھے، تاہم اُن کو اپنے خاندان کی عزت و حرمت کا کچھ کم پاس نہ تھا۔

ایک بار خوارج نے اُن سے اثنائے مناظرہ میں کہا کہ جب تک آپ اپنے خاندان سے تبرّا اور اُن پر لعنت و ملامت نہ کریں گے ہم آپ کی اطاعت قبول نہ کریں گے، بولے کیا تم نے فرعون پر لعنت کی ہے؟ اُن سب نے کہا نہیں بولے جب تم نے فرعون سے درگزر کی تو میں اپنے خاندان سے کیوں نہ چشم پوشی کروں درآنحالیکہ اُن میں بُرے بھلے نیک و بد ہر قسم کے لوگ تھے[3]

ایک بار کسی نے حضرت امیر معاویہؓ کو بُرا بھلا کہا تو انھوں نے اُس کو تین کوڑے

[1] طبقات ابن سعد، ص ۲۹۴ [2] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز رحؒ ص ۹۸
[3] سیرت عمر بن عبدالعزیز رحؒ ص ۷۷۔

مارے، اور تمام زمانۂ خلافت میں صرف یہی تین کوڑے تھے جو انھوں نے اپنے ہاتھ سے مارے تھے[1]

اعزّہ سے محبت حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ اعزّہ واقارب سے نہایت محبت رکھتے تھے، اُن کے چچا عبداللہ بن مروان کا انتقال ہوا، تو اگرچہ اس زمانہ میں وُہ امیرانہ زندگی بسر کرتے تھے تاہم سامانِ عیش کو تہہ کر کے رکھ دیا، اور دو ڈھائی مہینہ تک صرف کمل پہنتے رہے، قاسم بن محمد نے سمجھایا تو پھر اپنی اصلی حالت پر آ گئے[2]

بیٹوں میں عبدالملک سے بہت زیادہ محبت تھی ایک بار میمون بن مہران سے کہا کہ میرا بیٹا عبدالملک میری آنکھوں میں کھُب گیا، نہیں میرے جذبات عقل پر تو غالب نہیں آ گئے ہیں چاہتا ہوں کہ آپ آکر اس کے علم وفضل کا امتحان لیں[3]

دشمنوں کے ساتھ رفق وملاطفت دشمنوں کے ساتھ نرمی کرنا صرف ان لوگوں کا کام ہے جو انتہا درجہ کے شریف ہوں، اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ اسی قسم کے لوگوں میں تھے، اسلام میں خوارج کا فرقہ ہمیشہ سے خلفاء کا دشمن رہا ہے، لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے ہمیشہ اس فرقہ کے ساتھ رفق وملاطفت کا برتاؤ کیا۔

ایک بار کسی خارجی نے سلیمان بن عبدالملک کو فاسق اور فاسق زادہ کہا، اس نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ سے رائے طلب کی تو بولے کہ جس طرح اس نے آپ کو بُرا بھلا کہا ہے، آپ بھی کہہ لیجیے[1]

ایک بار چند خارجی اُن کی خدمت میں آئے اور مناظرہ کرنا شروع کیا حضرت

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۲۸۳ [2] سیرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۳۵
[3] سیرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۲۶۳

عمر بن عبدالعزیزؓ کے بعض ہمنشینوں نے کہا کہ ذرا بگڑ کر ان کو مرعوب کیجیے، لیکن وہ اُن سے نہایت نرم خوئی کے ساتھ گفتگو کرتے تھے، یہاں تک کہ وہ سب ایک خاص شرط پر راضی ہو کے چلے گئے، اب حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے اپنے ہمنشین کے زانو پر ہاتھ مار کر کہا کہ جب تک دوا سے صحت ہو کسی کو داغنا نہیں چاہیے[1]

خارجیوں کے ساتھ معرکۂ کارزار پیش آیا، تو بہ ہزار دقت اِن شرائط کے ساتھ جنگ کی اجازت دی کہ عورت بچے، قیدی قتل نہ کیے جائیں، زخمیوں کا تعاقب نہ کیا جائے، جو مالِ غنیمت ہاتھ آئے وہ انہی کے اہل وعیال کو واپس دیدیا جائے، قیدی اس وقت تک قید رکھے جائیں، جب تک کہ راہِ راست پر آجائیں۔

اُن کے نزدیک حجاج اس قدر مبغوض شخص تھا، کہ اس کے تمام خاندان کو جلا وطن کر دیا تھا اور تمام عمّال کو ہدایت کی تھی کہ اس کی روش اختیار کریں، لیکن باایں ہمہ جب اُن کے سامنے رباح بن عبیدہ نے حجاج کو گالی دی تو روکا اور بولے اے رباح جب مظلوم ظالم کو خوب بُرا بھلا کہہ کر اپنا بدلہ لے لیتا ہے تو ظالم کو اس پر فضیلت حاصل ہو جاتی ہے[2]

اُن کے تمام دشمنوں کو اُن کی اس رفق وملاطفت کا اس قدر یقین تھا کہ جرّاح نے جب مخلد بن یزید المہلب کو ان کے حکم سے گرفتار کیا تو اس کے ساتھ قید کی حالت میں اس قدر نرمی کی کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے اُن کو کہا کہ تم آلِ مہلب کی ماں ہو جو اس کے لئے بستر بچھاتی ہے، اور اس پر اس کو سلاتی ہے لیکن باایں ہمہ اُس نے خود حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے دربار کی حاضری کو اس عیش وآرام پر

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۹۲ [2] ایضاً ص ۸۹ و ۹۰

ترجیح دی، اور اس کا یہ خیال صحیح نکلا، چنانچہ جب وہ اُن کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں نے اس کو بالکل رہا کر دیا۔[1]

اہلِ حاجت کی امداد | جو لوگ محتاجِ اعانت ہوتے تھے، حضرت عمر بن عبدالعزیز ہر ممکن طریقے سے ان کی امداد کرتے تھے، اپنی ہم نشینی کے لئے جو شرطیں مقرر کی تھیں اُن میں ایک شرط یہ تھی کہ میرے ہمنشینوں کو مجھ تک ان لوگوں کی حاجتیں پہنچانا چاہیں جو خود اُن کے پہنچانے کی استطاعت نہیں رکھتے۔[2]

ایک بار اُن کے سامنے ایک چور پیش کیا گیا، تو اُس نے احتیاج کا عذر پیش کیا، انھوں نے اس کا عذر قبول کیا اور اس کو دس درہم دلوائے۔[3]

ایک بار ایک بدو آیا اور اپنی حاجت کو نہایت پُر درد الفاظ میں پیش کیا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے گردن جھکا لی اور آنکھوں سے مسلسل آنسو جاری ہو گئے۔ سر اُٹھا کر پوچھا کہ تم سب کتنے آدمی ہو؟ اس نے کہا ایک میں اور آٹھ بیٹیاں اُنھوں نے بیت المال سے سب کے وظائف مقرر کر دیئے اور سَو درہم ذاتی طور پر اپنی جیب سے دیئے۔[4]

جب خمس کے غلاموں کی کثرت ہو جاتی تو دو اپاہجوں کی خدمت کے لئے ایک غلام اور ہر اندھے کی راہبری کے لئے ایک غلام عطا فرماتے۔[5]

یہ قاعدہ تھا کہ جب اُن کے ڈاک کے چلتے، تو جو شخص خط دیتا اس کو لے لیتے چنانچہ ایک بار مصر سے ڈاکیہ چلا، تو ایک شخص کی لونڈی نے اس کو خط دیا کہ اس کے گھر کی

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۹۶ [2] ایضاً ص ۶۴ [3] ایضاً ص ۹۰
[4] ایضاً ص ۶۷ [5] سیرت ابن عبدالحکم ص ۵۵

دیوار اس قدر پست ہے کہ لوگ اس کو پھاند کر مرغیاں چُرا لے جاتے ہیں، انھوں نے اپنے عامل شرحبیل کو لکھا کہ میرے خط کے پہنچنے کے ساتھ ہی فوراً جاؤ، اور اس کی دیوار اونچی کر دو، اسی کے ساتھ اس لونڈی کو بھی اس کی اطلاع دی۔[1]

عیادت و عزاداری | اگرچہ امراء و سلاطین بہت کم گھر سے باہر قدم نکالتے ہیں، لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ دوست و دشمن کی عیادت و تعزیت کو بے تکلف جاتے تھے، اور ان کو تسلی دیتے تھے۔

ایک بار ابو قلابہ شام میں بیمار ہوئے تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ان کی عیادت کو تشریف لے لیئے، اور کہا کہ ابو قلابہ چاک و چست ہو جاؤ، اور ہم پر منافقین کو ہنسنے کا موقع نہ دو۔

ایک بار ایک شخص کا لڑکا مر گیا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اس کے پاس تعزیت کو گئے، وہ نہایت صابر و شاکر آدمی تھا، لوگوں نے کہا رضا و تسلیم اس کا نام ہے بولے رضا نہیں صبر۔[2]

عمر بن عبداللہ بن عتبہ کے باپ نے انتقال کیا تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اُن کے پاس ایک تعزیت نامہ بھیجا، جس میں لکھا کہ ہم آخرت کے رہنے والے ہیں، دنیا میں آکر قیام کر لیا ہے، مُردے اور مُردوں کے بیٹے ہیں، تو کس قدر تعجب ہے اُس مُردے پر جو مُردے کو خط لکھتا ہے، اور مُردے کی تعزیت دیتا ہے۔[3]

ہر دل عزیزی | حدیث شریف میں آیا ہے۔

اذا احب اللّٰہ العبد قال لجبرئیل — خدا جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبرئیل سے

[1] سیرت ابن عبدالحکم ص ۶۵ [2] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۱۰۶ [3] ایضاً ص ۲۱۴

قد احببت فلانا فاحبه فیحبه جبرئیل ثم ینادی فی اهل السماء ان اللہ قد احب فلانا فاحبوه فیحبه اهل السماء یضع له القبول فی الارض

کہتا ہے کہ میں فلاں سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو اس لئے جبرئیل اس سے محبت کرتے ہیں پھر آسمان کے رہنے والوں میں منادی کرتے ہیں کہ خدا فلاں سے محبت رکھتا ہے تم لوگ بھی اس سے محبت کرو اس لئے کہ آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں مقبولِ عام بنا دیتا ہے۔

مقبولیت اور ہر دلعزیزی کا یہ سب سے بڑا درجہ ہے اور محاسنِ اخلاق کی بدولت حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو یہی درجہ حاصل تھا، چنانچہ وہ ایک بار موسمِ حج میں عرفہ سے گذرے تو دفعۃً تمام لوگوں کی نگاہیں اٹھ گئیں، سہیل بن ابی صالح جو متذکرہ بالا حدیث کے راوی ہیں وہ بھی اس مجمع میں موجود تھے، انھوں نے یہ حالت دیکھی تو اپنے باپ سے کہا کہ میرے خیال میں خدا عمر کو محبوب رکھتا ہے، انھوں نے اس کی وجہ پوچھی تو بولے کہ لوگوں کے دلوں میں ان کی جگہ ہے اس کے بعد یہ حدیث بیان کی[1]۔

صرف مسلمانوں کی خصوصیت نہیں بلکہ اُن کے عدل و انصاف نے ان کو غیر قوموں کی نگاہوں میں بھی محبوب بنا دیا تھا، ایک بار اُن کے صاحبزادے عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز کا گذر جزیرہ سے ہوا تو ایک راہب جو کبھی اپنے صومعہ سے باہر نہیں نکلتا تھا، نکلا، اور پوچھا کہ تمہیں معلوم ہے کہ میں کس غرض سے اپنے گوشۂ تنہائی سے باہر آیا ہوں، انھوں نے کہا، نہیں، اس نے کہا صرف تمہارے باپ کے حق کی بنا پر، کیوں کہ ہم ان کو ائمہ عدل میں پاتے ہیں[2]۔

---

[1] زرقانی شرح مؤطا ج ۳ ص ۱۷۶ [2] تاریخ الخلفاء ص ۲۳۳

عُلماء کی قدردانی

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو اگرچہ خلافت کے تعلق سے ہر قسم کے لوگوں سے میل جول رکھنا پڑتا تھا، تاہم ان کا اصلی میلان اہلِ علم کی طرف تھا، اس لئے مختلف طریقوں سے اُن کی قدردانی کرتے تھے، عدی بن ارطاۃ نے جب تمام مسائلِ شرعیہ میں اُن سے مشورہ لینا شروع کیا، تو ہدایت کی کہ حسن بصری سے مشورہ لینا کافی ہے[1] خود کوئی فیصلہ کرتے تھے تو لازمی طور پر سعید بن مسیب سے مشورہ لیتے تھے۔

ایک بار ایک آدمی کو اُن کے پاس کسی مسئلہ کے دریافت کرنے کے لئے بھیجا وہ خود ان کو بلا لایا، بولے کہ قاصد نے غلطی سے آپ کو تکلیف دی، ہم نے صرف یہ کہا تھا کہ آپ سے صرف مسئلہ پوچھ کے چلا آئے[2]۔

ہمیشہ علماء کا ذکر کرتے رہتے تھے، بسر بن سعید کا انتقال ہوا، تو انہوں نے کفن کا سامان بھی نہ چھوڑا، اور عبداللہ بن عبدالملک کا انتقال ہوا تو اس نے لاکھوں روپے چھوڑے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو دونوں کی موت کا حال معلوم ہوا تو بولے کہ اگر دونوں کا ایک ہی انجام ہوتا تو میں عبداللہ بن عبدالملک ہی کی زندگی کو ترجیح دیتا اس پر مسلمہ بن عبدالملک نے کہا کہ بسر بن سعید کی سی زندگی اختیار کرنا آپ کے

---

[1] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز صفحہ ۱۰۱ [2] طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۹۰ تذکرہ سعید بن المسیب [3] طبقات ج ۵ صفحہ ۲۰۸

قد احببت فلاناً فاحبه فيحبه جبرئيل	کہتا ہے کہ میں فلاں سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس
ثم ينادي في اهل السماء	سے محبت کرو اس لئے جبرئیل اس سے محبت کرتے
ان الله قد احب فلاناً فاحبوه	ہیں پھر آسمان کے رہنے والوں میں منادی کرتے ہیں
فيحبه اهل السماء يضع له	کہ خدا فلاں سے محبت رکھتا ہے تم لوگ بھی اس سے محبت
القبول في الارض	کرو اس لئے آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اس کے
	بعد اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں مقبولِ عام بنا دیتا ہے۔

مقبولیت اور ہر دلعزیزی کا یہ سب سے بڑا درجہ ہے اور محاسنِ اخلاق کی بدولت حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو یہی درجہ حاصل تھا چنانچہ وہ ایک بار موسم حج میں عرفہ سے گذرے تو دفعۃً تمام لوگوں کی نگاہیں اُٹھ گئیں سہیل بن ابی صالح جو متذکرہ بالا حدیث کے راوی ہیں وہ بھی اس مجمع میں موجود تھے، انھوں نے یہ حالت دیکھی تو اپنے باپ سے کہا کہ میرے خیال میں خدا عمر کو محبوب رکھتا ہے، انھوں نے اس کی وجہ پوچھی تو بولے کہ لوگوں کے دلوں میں ان کی جگہ ہے اس کے بعد یہ حدیث بیان کی۔[1]

صرف مسلمانوں کی خصوصیت نہیں بلکہ اُن کے عدل و انصاف نے ان کو غیر قوموں کی نگاہوں میں بھی محبوب بنا دیا تھا، ایک بار اُن کے صاحبزادے عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز کا گذر جزیرہ سے ہوا تو ایک راہب جو کبھی اپنے صومعہ سے باہر نہیں نکلتا تھا، نکلا، اور پوچھا کہ تمھیں معلوم ہے کہ میں کس غرض سے اپنے گوشۂ تنہائی سے باہر آیا ہوں، انھوں نے کہا، نہیں، اس نے کہا صرف تمھارے باپ کے حق کی بنا پر، کیوں کہ ہم ان کو ائمہ عدل میں پاتے ہیں۔[2]

[1] زرقانی شرح مؤطا ج ۴ ص ۱۰۶ [2] تاریخ الخلفاء ص ۲۳۳

علماء کی قدردانی

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو اگرچہ خلافت کے تعلق سے ہر قسم کے لوگوں سے میل جول رکھنا پڑتا تھا، تاہم ان کا اصلی میلان اہلِ علم کی طرف تھا، اس لئے مختلف طریقوں سے اُن کی قدردانی کرتے تھے، عدی بن ارطاۃ نے جب تمام مسائلِ شرعیہ میں اُن سے مشورہ لینا شروع کیا، تو ہدایت کی کہ حسن بصری سے مشورہ لینا کافی ہے۔[1] خود کوئی فیصلہ کرتے تھے تو لازمی طور پر سعید بن مسیب سے مشورہ لیتے تھے۔

ایک بار ایک آدمی کو اُن کے پاس کسی مسئلہ کے دریافت کرنے کے لئے بھیجا وہ خود ان کو بلا لایا، بولے کہ قاصد نے غلطی سے آپ کو تکلیف دی، ہم نے صرف یہ کہا تھا کہ آپ سے صرف مسئلہ پوچھ کے چلا آئے۔[2]

ہمیشہ علماء کا ذکر کرتے رہتے تھے، بسر بن سعید کا انتقال ہوا، تو انہوں نے کفن کا سامان بھی نہ چھوڑا، اور عبداللہ بن عبدالملک کا انتقال ہوا تو اس نے لاکھوں روپے چھوڑے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو دونوں کی موت کا حال معلوم ہوا تو بولے کہ اگر دونوں کا ایک ہی انجام ہوتا تو میں عبداللہ بن عبدالملک ہی کی زندگی کو ترجیح دیتا اس پر مسلمہ بن عبدالملک نے کہا کہ بسر بن سعید کی سی زندگی اختیار کرنا آپ کے

[1] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۱۰۱ [2] طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۹۰ تذکرہ سعید بن المسیب [3] طبقات ج ۵ ص ۲۰۸

خاندان میں خودکشی کرنا ہے، بولے جو کچھ ہو، لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم اہلِ فضل کے فضل کا تذکرہ چھوڑ دیں [1]

اکثر علماء سے اُن کے دوستانہ تعلقات تھے اور جب اُن میں کوئی آتا، تو اس سے نہایت گرم جوشی سے ملتے، اور اس سے صحبت خاص رکھتے، ایک بار ایک عالم جو اُن کے دوست تھے آئے، تو اُن کو اپنے پاس بٹھایا، اور خلوت میں لے جا کر دیر تک گفت گو کرتے رہے [2]

[1] طبقات ابن سعد جلد ۵ ص ۲۰۸ [2] ایضاً ص ۲۲۵

شاعری وخطابت

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کو اگرچہ شعر وسخن کا ذوق نہ تھا، تاہم کبھی کبھی اخلاقی اشعار خود کہتے تھے، اور کبھی کبھی دوسروں کی زبان سے سنتے تھے، چنانچہ محدث ابن جوزیؒ نے اپنی کتاب کے تیسویں باب میں اس قسم کے اشعار کو جمع کر دیا ہے،

ایک لحنِ خاص کے موجد بھی تھے جو مدینہ میں رائج و مقبول تھا [1]

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے خطبات و مواعظ بکثرت ہیں جن کو محدث ابن جوزی نے اپنی کتاب کے تیسویں باب میں جمع کر دیا ہے، منبر پر وہ بالکل ابراہیم ادھم اور حضرت بایزید بسطامی کے قالب میں نمایاں ہوتے ہیں، اور جو کچھ کہتے ہیں انہی کی زبان سے کہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ انھوں نے جب پہلا خطبہ دیا، تو تمام خطباء و شعراء دفعۃً اُن سے الگ ہو گئے، اور فقہاء دربار نے کہا کہ جب تک اُن کے قول و فعل میں تخالف نہ ہو ہم اُن کو چھوڑ نہیں سکتے [2]

[1] سیرت عمر بن عبد العزیز ص ۲۳ [2] ایضاً ص ۱۹۶

ارباب صحبت

خلافت سے پہلے اگرچہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ رنگین مزاج لوگوں سے صحبت رکھتے تھے لیکن خلیفہ ہونے کے ساتھ ہی انھوں نے تمام سامانِ عیش وطرب کے ساتھ اس قسم کے احباب سے بھی قطع تعلق کرلیا، چنانچہ خلافت کے بعد جب لوگ اُن کی خدمت میں آئے، توانھوں نے صرف نیک اور پرہیزگار لوگوں کو باریابی کا موقع دیا، اور ایک قدیم دوست کو اس شرف سے محروم رکھا، بعض لوگوں نے ان سے اس معاملہ میں گفت گو کی، تو بولے جس طرح ہم نے رنگین کپڑے چھوڑ دیئے، اسی طرح رنگین مزاج دوستوں سے بھی علٰحدگی اختیار کرلی ہے[1]

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے پہلے خلفاء کی بزمِ طرب میں سب سے زیادہ ہجوم شعراء کا ہوتا تھا، اس بنا پر جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ ہوئے تو حجاز وعراق کے تمام شعراء نے اُن کے دربار کا رُخ کیا، اور تمام بڑے بڑے شعراء مثلاً نصیب، جریر، فرزدق، احوص اور اخطل وغیرہ آئے اور مہینوں قیام کیا، لیکن یہاں مجلس ہی کا رنگ بدلا ہوا تھا، شعراء کی کوئی قدردانی نہیں کی جاتی تھی، قراء، فقہاء اطراف سے بلائے جاتے تھے، اور اُن کو خواص میں داخل کیا جاتا تھا، مجبوراً بعض شعراء نے

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۴۳،

ایک فقیہہ سے اعانت طلب کی، اور اپنی کساد بازاری کا اظہار ان اشعار میں کیا

یا ایہا القاری المرخی عمامتہ	ھذا زمانک انی قد مضی زمنی
اے وہ قاری جس کا عمامہ لٹک رہا ہے	یہ تیرا زمانہ ہے، میرا زمانہ گزر گیا
ابلغ خلیفتنا ان کنت لاقیہ	انی لدی الباب کالمصفود فی قرن
اگر ہمارے خلیفہ سے ملو تو اس کو یہ پیغام پہنچا دو	کہ میں دروازے پر بیڑیوں میں جکڑا ہوا ہوں

بہرحال عمر بن عبدالعزیزؒ نے خلفاء کی مجالس کا رنگ بالکل بدل دیا، اور اپنی صحبت کے لئے صرف علماء وفقہاء کو انتخاب کیا، جس میں میمون بن مہران، رجاء بن حیات، اور ریاح بن عبیدہ کا شمار خواص میں تھا، اور اُن کے علاوہ اور علماء بھی تھے، لیکن اُن کا درجہ اُن سے کم تھا[1]

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے نزدیک ارباب صحبت میں خصوصیت کے ساتھ جن اوصاف کا ہونا ضروری تھا اُن کی تصریح انھوں نے خود ہی کردی تھی یعنی کہ،

١- اگر میں انصاف کی راہ نہ پاؤں تو وہ میری رہنمائی کرے۔
٢- نیکی کے کاموں میں میرا مددگار ہو۔
٣- جو لوگ مجھ تک اپنی حاجت نہیں پہنچا سکتے وہ مجھ تک ان کی حاجت پہنچائے
۴- میرے پاس کسی کی غیبت نہ کرے۔
۵- میری اور لوگوں کی جو امانت رکھے اس کو ادا کرے۔

عام معمول تھا کہ ابتدائے شب میں خلافت کا کام انجام دیتے، آدھی رات ہوتی تو احباب کے ساتھ شریک صحبت ہوتے، اور اخیر شب میں عبادت کرتے۔

[1] طبقات ابن سعد ص ۲۹۴

ایک دن میمون بن مہران نے کہا کہ آپ اس مصروفیت کے ساتھ کیونکر زندہ رہ سکتے ہیں؟ بولے باہمی صحبت سے عقل بار آور ہوتی ہے[1]

ان احباب کی صحبت میں امورِ خلافت کے متعلق مشورہ لیا جاتا[2]، اور زہد ورقاق کی باتیں ہوتیں، میمون بن مہران کا بیان ہے کہ میں ایک رات ان کی صحبت میں تھا تو انھوں نے ایک مؤثر وعظ کہا[3]

---

۱ سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۱۲۴ ۲ طبقات ابن سعد ص ۲۸۲

۳ طبقات ابن سعد ص ۲۷۴
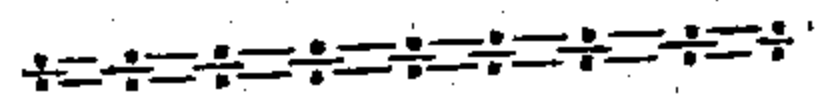
اعمال وعبادات

عبادت شبانہ | حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی زندگی کا سب سے زیادہ پُراثر منظر صرف راتوں کو نظر آسکتا تھا، جو اُن کی عبادت گذاری کا اصلی وقت تھا، اس مقصد کے لئے گھر کے اندر ایک حجرہ مخصوص کر لیا تھا، جس میں کمل کے سلے ہوئے کپڑے رکھے رہتے تھے، جب رات کا پچھلا پہر ہوتا، تو دن کے کپڑے اُتار ڈالتے، اور ان کپڑوں کو پہن کر مناجات اور گریہ و بکا میں مصروف ہو جاتے، اور صبح تک مصروف رہتے، صبح ہوتی تو اُن کپڑوں کو تہہ کر کے صندوق میں رکھ دیتے۔

مرنے سے پہلے اس صندوق کو ایک غلام کے پاس امانۃً رکھ دیا تھا، اور ایک روایت میں ہے کہ اس کو دریا میں بہا دینے کی وصیت کی تھی، چنانچہ اہلِ خاندان کو اس صندوق کا حال معلوم ہوا تو غلام سے طلب کیا، اُس نے کہا کہ اس میں مال و دولت نہیں ہے، لیکن اُن کی حرص و طمع نے اس کا اعتبار نہیں کیا، اور صندوق کو اُٹھا کر یزید بن عبدالملک کی خدمت میں لے گئے، اس نے تمام خاندان کے سامنے کھولا، تو کمل کے چند ٹکڑے نکلے جن کو وہ رات کو پہنا کرتے تھے۔[1]

عام معمول یہ تھا کہ شام ہونے کے بعد آدھی رات تک امورِ خلافت انجام دیتے، آدھی رات کے بعد علماء سے صحبت رکھتے، اور رات کا پچھلا پہر عبادت گذاری میں گذار

---

۱ سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۱۷۸ و ۱۷۹ و ۲۴۰

نمازِ فجر پڑھنے کے بعد پھر اسی حجرے میں چلے جاتے، اور اس وقت اس میں کوئی دوسرا نہیں جا سکتا تھا[1]

نماز نماز پنجگانہ نہایت مستعدی کے ساتھ ادا فرماتے تھے، گھر میں مغرب کی طرف ایک جھروکا بنا رکھا تھا، اگر مؤذن اذان دینے میں دیر کرتا تھا تو آدمی بھیج کر کہلوا دیتے کہ وقت آگیا[2]

مؤذن اذان دیتا تو کوشش کرتے کہ اذان کی آواز کے ساتھ ہی مسجد میں داخل ہو جائیں، اس غرض سے ۱۳ مؤذن ملازم رکھے تھے، کہ گھر سے نکلنے تک اذانوں کا سلسلہ ٹوٹنے نہ پائے، لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا کہ تمام مؤذنین کو اذان کہنے کی ضرورت واقع ہوئی ہو، اکثر پہلی ہی اذان میں گھر سے برآمد ہو جاتے، ورنہ دوسری یا تیسری اذان میں تو ضرور ہی داخل مسجد ہو جاتے، اذان دینے کے بعد مؤذن آتا اور کہتا کہ "السلامُ علیک امیر المومنین ورحمۃ اللہ" یہ فقرے ادا بھی نہ کر چکتا تھا کہ وہ نماز کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے[3]

جمعہ کے دن کا نہایت احترام کرتے تھے، اور عید اور جمعہ میں پیدل جانے کا حکم دیا تھا[4]، ادائے نماز میں بالکل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سنن وآداب کا اتباع کرتے تھے، حضرت انس بن مالک کا قول ہے کہ میں نے ان سے زیادہ کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ نماز پڑھتے نہیں دیکھا[5]

زکوٰۃ ہمیشہ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا فرماتے تھے، مجاہد کا بیان ہے کہ ایک بار انھوں نے

---

[1] سیرت عمر بن عبد العزیز رحؒ ص ۲۱۶ [2] ایضاً ص ۱۷۹ [3] طبقات ابن سعد ص ۲۶۴ و ۲۶۵
[4] ایضاً ص ۲۶۷ [5] سیرت عمر بن عبد العزیز رحؒ ص ۲۶

مجھے ۲۰ درہم دیئے، اور کہا کہ یہ میرے مال کا صدقہ ہے[1] ہمیشہ دوشنبہ اور جمعرات کا روزہ رکھتے[2]

تلاوت روزانہ علی الصباح قرآن مجید کی تھوڑی سی تلاوت کرتے، اور رات کے وقت جب سوتے تو نہایت دردناک لہجہ میں قرآن مجید کی یہ آیتیں پڑھتے۔

ان ربکم اللہ الذی خلق السموٰت والارض[3] الخ	تمہارا پروردگار وہ خدا ہے جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا۔
افامن اھل القری ان یاتیھم باسنا بیاتا وھم نائمون[4]	کیا گاؤں والے اس سے بے ڈر ہو گئے کہ ہمارا عذاب آجائے اور وہ لوگ سوئے ہوئے ہیں۔

بعض اوقات ایک ہی سورۃ کو بار بار رات بھر پڑھا کرتے تھے، چنانچہ ایک رات سورۂ انفال شروع کی تو صبح تک پڑھتے رہے، اگر کوئی خوف کی آیت آتی تو تضرع وابتہال کرتے، اگر رحمت کی آیت آتی تو دعا کرتے[5]

قرآن مجید کو سن کر اُن پر محویت کا عالم طاری ہو جاتا تھا، ایک بار کسی شخص نے اُن کے سامنے قرآن مجید کی ایک سورۃ پڑھی، تو حاضرین میں سے ایک صاحب بول اُٹھے کہ اس نے پڑھنے میں غلطی کی ہے، حضرت عمر بن عبد العزیز رحؒ نے فرمایا کہ قرآن مجید کے سننے کے بعد اُن کو غلطی نکالنے کا ہوش تھا[6]

جب اُن آیتوں کو پڑھتے جن میں احوالِ قیامت کا ذکر ہوتا تو بے ساختہ رو پڑتے، بے ہوش ہو جاتے، اور صبح تک ان پر از خود رفتگی کی کیفیت طاری رہتی[7]

---

[1] سیرۃ عمر بن عبد العزیز ص ۲۴۱ [2] طبقات ابن سعد ص ۲۴۵ [3] سیرت عمر بن عبد العزیز ص ۱۸۰
[4] طبقات ابن سعد ص ۲۸۰ [5] سیرت عمر بن عبد العزیز ص ۱۷۹ [6] ایضاً ص ۱۹۲ [7] ایضاً ص ۱۹۰۔

مناجات ودعا ہمیشہ مناجات ودعا میں مصروف رہتے، چنانچہ علامہ ابن جوزیؒ نے اُن دعاؤں کو اپنی کتاب کے اکتیسویں باب میں نقل کر دیا ہے۔

گریہ وبکاء طبیعت نہایت اثر پذیر پائی تھی، اس لئے اکثر اُن پر گریہ طاری ہو جایا کرتا تھا، ایک بار خطبہ دینا چاہتے تھے، کہ حمد ونعت کے بعد گلوگرفتہ ہو گئے[1] اگر کوئی شخص اُن کو مؤثر نصیحت کرتا، یا قرآنِ مجید کی کوئی پُر اثر آیت سنتے تو دفعۃً رو پڑتے، چنانچہ خوف قیامت اور نصیحت پذیری کے عنوان میں اس قسم کے واقعات گذر چکے ہیں، اُن کی بی بی کا بیان ہے کہ جب گھر میں آتے تھے تو اپنی مسجد میں جا کر متصل روتے رہتے، یہاں تک کہ آنکھ لگ جاتی، جب جاگتے تو پھر اسی مشغلہ میں مصروف ہو جاتے یہاں تک کہ اسی میں رات بسر ہو جاتی[2]

خشیتِ الٰہی دنیا میں اور بھی بہت سے فقراء وصوفیہ گذرے ہیں جن کا دل ہمیشہ خشیتِ الٰہی سے لرزتا رہتا تھا، لیکن اس باب میں حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کو جس چیز نے اُن لوگوں سے ممتاز کر دیا ہے وہ یہ ہے کہ جو چیز انسان کے دل کو سخت کر دیتی ہے اُسی نے اُن کے دل کو گداز کر دیا تھا، جاہ ودولت انسان کو خدا سے بالکل غافل کر دیتے ہیں، لیکن حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے دل کو انہی نے خوفِ خدا کا آشیانہ بنا دیا تھا، چنانچہ ایک بار انھوں نے خود اپنے ایک فوجی افسر کو لکھا کہ:۔

"خدا کی عظمت اور خشیت کا سب سے زیادہ مستحق بندہ وہ ہے جو اُس مصیبت میں مبتلا ہو جس میں کہ میں ہوں، خدا کے نزدیک مجھ سے زیادہ سخت عذاب دینے والا اور مجھ سے زیادہ ذلیل (اگر وہ خدا کی نافرمانی کرے) کوئی

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۲۹۴ [2] تاریخ الخلفاء ص ۲۳۵

نہیں ہے، میں اس حالت میں سخت دل گرفتہ ہوں، اور مجھے خوف ہے کہ یہ میری ہلاکت کا سبب نہ بن جائے، مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم جہاد کے لئے روانہ ہونا چاہتے ہو، تو اے برادرِ من میری خواہش یہ ہے کہ جب تم صفِ جنگ میں کھڑے ہو تو خدا سے دعا کرو، کہ وہ مجھے شہادت عطا فرمائے، کیونکہ میری حالت نہایت سخت اور میرا خطرہ نہایت عظیم الشان ہے[1]"

عام معمول یہ تھا کہ نماز عشاء کے بعد اپنی مسجد میں بیٹھ کر دعائیں کرتے اور روتے جاتے، یہاں تک کہ آنکھ لگ جاتی، پھر آنکھ کھلتی تو یہی مشغلہ جاری ہو جاتا یہاں تک کہ دوبارہ سو جاتے، غرض تمام رات اسی طرح گذر جاتی[2]

ایک دن اُن کی بی بی فاطمہ نے اس کی وجہ پوچھی، تو بولے کہ میں نے غور کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ میں اس اُمت کے چھوٹے بڑے اور سیاہ وسفید کی قسمت کا مالک ہوں پھر میں نے بے کس، غریب، محتاج، فقیر اور گم شدہ قیدی اور انہی کی طرح اور لوگوں کو یاد کیا، تو مجھے یقین ہو گیا کہ خدا ان کے بارے میں مجھ سے سوال کرے گا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے متعلق مجھ پر دعوٰی کریں گے، اس لئے اس تصوّر سے مجھے جان کا خوف پیدا ہو گیا، میرے آنسو جاری ہو گئے اور میرا دل خوفزدہ ہو گیا اور میں جس قدر اس کو یاد کرتا ہوں میرا خوف بڑھتا جاتا ہے[3]"

اُن کی بی بی فاطمہ بنت عبد الملک کا بیان ہے کہ وہ اور لوگوں سے زیادہ نہ نماز پڑھتے تھے، نہ روزہ رکھتے تھے، البتہ اُن سے زیادہ کوئی شخص خدا سے نہیں ڈرتا تھا وہ

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن عبد العزیزؒ ص ۲۹۲ [2] سیرت عمر بن عبد العزیز ص ۱۸۹ [3] ایضاً ص ۱۸۹

اپنے بستر پر بھی خدا کو یاد کرتے تھے تو خوف کی شدّت سے کنجشک سے زیادہ کانپتے تھے[1]"

خوفِ موت امراء و سلاطین کے یہاں راتوں کو بزمِ عیش و طرب منعقد ہوتی ہے لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے یہاں رات کو فقہاء جمع ہو کر موت اور قیامت کا ذکر کرتے تھے اور اس طرح روتے تھے گویا اُن کے سامنے جنازہ رکھا ہوا ہے[2]

وہ موت کے خوف سے رات رات بھر جاگا کرتے تھے، اور اس پر غور و فکر کرتے رہتے تھے، ایک بار انھوں نے اپنے ایک ہم نشین سے کہا کہ میں غور و فکر میں رات بھر جاگتا رہا، اُس نے کہا کس چیز کے متعلق غور و فکر کرتے تھے؟ بولے قبر اور اہلِ قبر کے متعلق، تم اگر مُردے کو تین دن کے بعد قبر میں دیکھو تو باوجود اس کی موانست کے تم اس کے پاس جانے سے وحشت زدہ ہو گے، اور ایسا گھر دیکھو گے جس میں کیڑے رینگ رہے ہوں گے، پیپ بہہ رہی ہو گی، اور کیڑے اس میں تیر رہے ہوں گے" یہ کہنے کے بعد ہچکیاں بندھ گئیں اور بے ہوش ہو کر گر پڑے، ہوش میں آنے کے بعد بھی یہ حالت عود کرتی رہی[3]

سیاسی کام عموماً مصلحت اور ضرورت کے اقتضاء سے انجام دیئے جاتے ہیں لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے نظامِ سلطنت کی بنیاد صرف خوفِ موت پر قائم تھی، وہ جو کچھ کرتے تھے خدا کے ڈر، قیامت کے مواخذہ اور موت کے خوف سے کرتے تھے۔

رباح بن زید کا بیان ہے کہ انھوں نے ایک بار عروہ کو لکھا کہ تم مجھ سے بار بار

[1] سیرت ابن عبدالحکم ص ۴۷ [2] تاریخ الخلفاء ص ۱۳۹ [3] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۱۹۳

خط و کتابت کرتے ہو، اب میں جو احکام لکھ بھیجوں، اس کو فوراً نافذ کر دو، کیونکہ موت کا وقت ہم لوگوں کو معلوم نہیں[1]

خوفِ قیامت روزِ قیامت سے نہایت خائف رہتے تھے، یزید بن حوشب کا قول ہے:۔

"میں نے حسن بصریؒ اور عمر بن عبدالعزیزؒ سے زیادہ کسی شخص کو قیامت سے ڈرنے والا نہیں دیکھا، گویا دوزخ صرف انہی دونوں کے لئے پیدا کی گئی تھی[2]"

اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی زندگی کے تمام واقعات اس کی تائید کرتے ہیں۔

ایک دن اپنی بی بی فاطمہ کے پاس آئے اور کہا کہ دابق میں ہمارا زمانہ اس زمانہ سے زیادہ خوشگوار تھا، یہ کہہ کر اُن کو اس زمانہ کی عیش و عشرت کی یاد دلائی، فاطمہ نے کہا کہ خدا کی قسم آج آپ اس زمانہ سے زیادہ اہلِ مقدرت اور صاحبِ اختیار ہیں، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے یہ سُنا تو غمناک لہجہ میں یہ کہتے ہوئے اُٹھ گئے کہ اے فاطمہ اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں فاطمہ اس پُردرد فقرے کو سُن کر رو پڑیں، اور کہا کہ خداوند ان کو دوزخ سے نجات دے[3]

ایک بار سفر میں تھے، چونکہ اسباب سے آگے نکل جا چکے تھے، اس لئے راہ میں گھوڑے

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۲۹۴ [2] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۱۹۱
[3] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۱۹۳

سے اُتر گئے، اور دیکھا کہ جو لوگ اسباب پہلے بھیج چکے ہیں ان کے پاس سامان آ رہا ہے، یہ دیکھ کر رو پڑے، سلیمان بن عبد الملک نے رونے کی وجہ پوچھی تو بولے اسی طرح قیامت کے دن جو شخص زادِ راہ پہلے بھیج چکا ہوگا وہ اس کو مل جائے گا اور جس نے نہ بھیجا ہوگا اس کو کچھ نہ ملے گا۔[1]

انھوں نے بنو امیہ کی جائیدادیں ضبط کرلیں تو اُن کی پھوپھی نے کہا کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ سب بغاوت کر دیں، لیکن انھوں نے کہا کہ اگر قیامت کے سوا میں اور کسی دن سے ڈروں تو خدا مجھے اس دن سے نہ بچائے، اس کے بعد آگ پر ایک اشرفی گرم کی جب وہ سرخ ہوگئی تو اس کو گوشت کے ایک ٹکڑے پر رکھا، وہ بھن گیا تو بولے پھوپھی جان اپنے بھتیجے کے لئے اس سے ڈرو۔[2]

قرآن مجید کی جن آیتوں میں قیامت اور احوالِ قیامت کا ذکر ہوتا ان کا اثر اُن پر شدت کے ساتھ پڑتا تھا، ایک بار اُن کی بی بی فاطمہ شدت کے ساتھ رونے لگیں، بھائیوں نے وجہ پوچھی تو بولیں کہ ایک رات میں نے ایک عجیب منظر دیکھا، میں نے دیکھا کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نماز پڑھ رہے ہیں جب یہ آیت پڑھی:-

یوم یکون الناس کالفراش المبثوث	جس دن لوگ مثل پھیلے ہوئے پروانوں
وتکون الجبال کالعھن المنفوش	اور پہاڑ مثل دھنکی ہوئی اُون کے
(قارعہ)	ہوں گے۔

تو چیخے کہ واسواہ صباحاہ، پھر اُچھلے اور اُچھل کر اس طرح گرے کہ میں نے خیال کیا کہ دم

[1] سیرت عمر بن عبد العزیزؒ ص ۹۳ اور سیرت ابن عبد الحکم ص ۲۳ میں یہی واقعہ کسی قدر تغیر کے ساتھ بیان کیا گیا ہے [2] طبقات ابن سعد ص ۲۷۵

توڑ رہے ہیں، پھر ٹھہر گئے میں نے خیال کیا کہ دم نکل گیا، پھر ہوش میں آئے اور چلائے، یا سواہ صباحاہ، پھر اُچھلے اور تمام گھر میں پھر پھر کر کہنے لگے، افسوس اُس دن پر جس میں لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح اور پہاڑ مثل دُھنکے ہوئے اُون کے ہوں گے۔ پھر گرے اور اس طرح گرے کہ مُردہ معلوم ہوتے تھے، یہاں تک کہ مؤذن صبح نے بیدار کیا۔[1]

ایک روز نماز میں یہ آیت پڑھی۔

وقفوھم انھم مسئولون	ان سے بتا دو کہ اُن سے سوال ہوگا۔

اس کا اثر یہ پڑا کہ بار بار اسی آیت کو پڑھتے رہے، اور اس سے آگے نہ پڑھ سکے۔[2]

ایک بار سرِ منبر یہ آیت پڑھی:-

ونضع الموازین القسط یوم القیامۃ	قیامت کے دن ہم انصاف کی ترازو کھڑی کریں گے

تو خوف سے ایک طرف کو جھک گئے گویا زمین پر گر رہے ہیں۔[3]

خوف عذاب الٰہی قیامت کے علاوہ اُن کو دنیا ہی میں ہمیشہ عذاب الٰہی کا خوف لگا رہتا تھا، ایک بار زور سے ہوا چلی تو ان کے چہرے کا رنگ سیاہ پڑ گیا، ایک شخص نے پوچھا امیر المومنین آپ کا یہ کیا حال ہو گیا؟ بولے دنیا میں جو قوم تباہ ہوئی ہے اس کو ہوا ہی نے تباہ کیا ہے۔[4]

محبتِ رسولؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ کا ادب و احترام ہر مسلمان کا جزوِ ایمان ہے۔ اور حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کے اجزائے ایمانیہ کا یہ جُزو سب سے نمایاں تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متبرک یادگاروں میں اُنھوں نے

[1] سیرت عمر بن عبد العزیزؒ ص ۱۹۰ [2] ایضاً ص ۱۹۱ [3] ایضاً ص ۲۰۰ [4] ایضاً ص ۱۹۱

پلنگ، گدّا، پیالہ، چادر، چکی، ترکش اور عصا کو ایک کوٹھری میں محفوظ رکھا تھا، اور روز اس کی زیارت کرتے تھے، اگر کبھی قریش کا مجمع ہوجاتا تو اُن کو لے جا کر ان مقدس یادگاروں کی زیارت کرواتے اور کہتے کہ یہ اُس مقدس ذات کی میراث ہے جس کے ذریعہ سے خدا نے تم لوگوں کو عزت دی ہے[1]

اس سرمایۂ حیات کے علاوہ اگر کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی یادگار مل جاتی تھی تو سر اور آنکھوں پر رکھتے، اور اس سے برکت اندوز ہوتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو جاگیریں دی تھیں، اور اس کے متعلق ایک سند لکھ دی تھی، اُن کے خاندان کے ایک شخص نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رح کو وہ سند دکھائی تو اُس کو چُوم کر آنکھوں پر رکھ لیا[2]

انتقال ہونے لگا تو سب سے زیادہ اسی زادِ آخرت کی فکر ہوئی، چنانچہ وصیت کی کہ کفن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند موئے مبارک و ناخنِ پاک رکھے جائیں[3]
اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کوئی گستاخانہ کلمہ کہتا تو اس پر سخت برہم ہوتے، ایک بار اُن کی پیشی میں ایک محرر پیش کیا گیا۔ خود تو مسلمان تھا لیکن اس کا باپ کافر تھا، حضرت عمر بن عبدالعزیز رح نے کہا کہ مہاجرین کی اولاد میں سے کسی کو کیوں نہیں لائے؟ محرر نے بے ساختہ جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باپ کا کفر آپ کے لئے کچھ مضر نہیں ثابت ہوا" بولے تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب کے برابر کر دیا، ہمارے یہاں تیرا کام نہیں"[4]

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیز رح ص ۲۱۶ و ۲۱۷ [2] اسد الغابہ تذکرہ مرارہ بن سلمیٰ [3] طبقات ابن سعد ص ۳۰۰ [4] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز رح ص ۶۲

محبت اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتساب و تعلق نے اگرچہ اہل بیت کو تمام مسلمانوں کے نزدیک عزیز تر بنا دیا تھا، لیکن بنو امیہ کا خاندان ابتدا ہی سے سیاسی مصالح کی بنا پر اُن کا دشمن بن گیا تھا، حضرت عمر بن عبدالعزیز رح بھی اسی خاندان کے ایک رکن تھے، اور اُن کے زمانے تک اس بغض و عداوت کا خمیر اس قدر پختہ ہوگیا تھا کہ خاندانِ بنو امیہ کے سامنے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا نام بھی نہیں لیا جا سکتا تھا[1] لیکن وہ خود اہل بیت کی محبت میں اس قدر مخمور و سرشار تھے کہ ایک بار گورنری مدینہ کے زمانے میں اُن کے یہاں فاطمہ بنت علی رض آئیں تو انھوں نے پہلے تمام پہرہ داروں اور غلاموں کو گھر سے نکلوا دیا، پھر تنہائی میں لے جا کر اُن سے کہا کہ اے دخترِ علی رض صفحۂ زمین پر مجھے کوئی خاندان تم سے زیادہ عزیز نہیں ہے، تم خود میرے خاندان سے زیادہ مجھے عزیز ہو[2]"

اُن سے پہلے خلفائے بنو اُمیہ نے حضرت علی رض کی نسبت اہانت آمیز فقرے جمعہ کے خطبہ میں شامل کر دیئے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رح نے ان فقروں کو خطبہ سے خارج کر دیا۔ چنانچہ کثیر عزۃ الخزاعی نے ایک قصیدے میں اس کی طرف مداحانہ طریقے سے اشارہ کیا ہے[3]

ولیت فلم تشتم علیا ولم تخف بریا ولم تتبع مقالۃ مجرم

تم خلیفہ ہوئے تو تم نے نہ علی رض کو گالی دی، نہ بری آدمیوں کو ڈرایا، نہ مجرمین کی بات پر گرفت کی

اس قسم کے فقروں کے بجائے وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فضائل کے ذکر

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیز رح ص ۱۶ [2] طبقات ص ۲۴۵ [3] طبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن عبدالعزیز رح ص ۲۹۱ و تاریخ الخلفاء ص ۲۴۴

سے رطب اللسان رہتے تھے، ایک بار اُن کے یہاں فقر و زہد کا تذکرہ ہوا تو لوگوں نے مختلف لوگوں کے نام لئے، لیکن انھوں نے کہا کہ دنیا میں سب سے زیادہ زاہد حضرت علیؓ بن ابی طالب علیہ السّلام تھے۔[۱]

صرف اہل بیت ہی کی خصوصیت نہیں، جو لوگ خاندانِ نبوت سے ادنیٰ تعلق بھی رکھتے تھے، اُن کے ساتھ وہ اسی قسم کے فیاضانہ سلوک کرتے تھے، حضرت اسامہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے مولیٰ زادہ تھے، ایک بار اُن کی بیٹی اُن کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؒ خود اُٹھ کر گئے، اور ہاتھ پکڑ کر اُن کو لائے اور اپنی جگہ بٹھایا اور ان کی تمام ضرورتیں پوری کیں۔[۲]

ایک بار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا آزاد شدہ غلام زربق ان کی خدمت میں حاضر ہوا، اور کہا کہ یا امیر المؤمنین! میں مدینہ کا رہنے والا ہوں، قرآن مجید اور فرائض مجھے یاد ہے، لیکن بیت المال کے رجسٹر میں میرا نام درج نہیں ہے حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؒ نے کہا کہ تم کس طبقہ کے آدمی ہو؟ بولا میں مولیٰ بنی ہاشم میں ہوں اُس نے حضرت علیؓ بن ابی طالبؓ کا نام لیا، تو حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؒ کی آنکھوں میں آنسو جاری ہو گئے اور کہا کہ میں خود علیؓ کا غلام ہوں۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ میں جس کا مولیٰ ہوں علیؓ بھی اُس کے مولیٰ ہیں، پھر اپنے مولیٰ مزاحم سے پوچھا کہ اس قسم کے لوگوں کو کیا وظیفہ دیتے ہو اُس نے کہا سو یا دو سو درہم، بولے ولایتِ علیؓ کی بنا پر اس کو پچاس دینار دو۔[۳]

---

[۱] سیرت عمر بن عبد العزیز رح ص ۲۳۸ [۲] ایضاً ص ۱۴۳

[۳] سیرت عمر بن عبد العزیز رح ص ۱۶

ایک بار خاندانِ بنو امیہ کے بہت سے لوگ دروازہ پر منتظر بیٹھے ہوئے تھے، لیکن انھوں نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے غلام کو سب سے پہلے باریابی کا موقع دیا، ہشام نے دیکھا تو جل کر کہا کہ کیا عمرؓ بن عبد العزیزؒ کو سب کچھ کر کے ابھی تسکین نہیں ہوئی کہ ابن عباسؓ کے ایک غلام کو موقع دیتے ہیں کہ ہماری گردن پھاند کے چلا جائے۔[۱]

محبّت مدینہ

حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؒ مدینہ کے ادب و احترام کا شدت کے ساتھ لحاظ رکھتے تھے، مثلاً مدینہ کا جو حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے مقرر کر دیا تھا، اس کے اندر کے درخت یا گھاس کو کاٹا نہیں جا سکتا تھا، حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؒ کو اس کا اس قدر خیال تھا کہ فرماتے تھے کہ یہ مجھے گوارا ہے کہ ایک شخص کو میرے سامنے اس حالت میں لایا جائے کہ وہ شراب لئے جاتا ہو لیکن یہ گوارا نہیں کہ ایک شخص کو اس حالت میں لایا جائے کہ وہ حرمِ مدینہ سے کوئی چیز کاٹ کر لیجاتا ہو۔[۲]

مدینہ سے اُن کو اس قدر شیفتگی تھی کہ جب وہاں سے شام کو چلے تو اس کی طرف با چشمِ تر مُڑ کے دیکھا اور اپنے غلام مزاحم سے کہا کہ ہم ان لوگوں میں سے تو نہیں ہیں جن کو مدینہ نے پھینک دیا ہے۔[۳] اس میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ مدینہ ایک بھٹی ہے جو میل کچیل کو پھینک دیتی ہے اور خالص چیز کو پاکیزہ بنا دیتی ہے۔

+=+=+=+=+=+=+=+=+=+

---

[۱] سیرت عمر بن عبد العزیز رح ص ۷۶ [۲] معجم البلدان ذکر مدینہ

[۳] معجم البلدان ذکر مدینہ

کارنامہائے زندگی

تجدید واصلاح

مذہب، سیاست، اخلاق، تمدن، غرض نظامِ عالم کے کل اجزاء جب زنگ آلود ہو جاتے ہیں تو خدا ایک مصلح، ایک رفارمر اور ایک مجدد کو پیدا کرتا ہے، جو ان تمام چیزوں کو جِلا دے کر نئے آب و رنگ کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے۔

سلیمان بن عبدالملک کے زمانہ خلافت تک تاریخِ اسلام پر پوری ایک صدی گزر چکی تھی، اور اس طویل زمانہ میں اسلام کا نظامِ مذہب، نظامِ سیاست، نظامِ اخلاق اور نظامِ تمدن بالکل زنگ آلود ہو گیا تھا، اس لئے ان تمام چیزوں کی تجدید و اصلاح کے لئے ایک مجدد کی ضرورت تھی، اور حافظ جلال الدین سیوطیؒ کو فخر ہے کہ مصر کی خاک نے سب سے پہلے حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے ذریعہ سے اس ضرورت کو پورا کیا، اور متصل کئی صدیوں تک پورا کرتی رہی چنانچہ لکھتے ہیں:

من اللطائف ان شرط المبعوثین	یہ ایک لطیفہ ہے کہ ہر صدی کی ابتدا میں

علی رؤس القرون مصریون عمر	جو مصلح پیدا ہوئے وہ سب کے سب مصری تھے
بن عبدالعزیز فی الاولی والشافعی	یعنی پہلی صدی میں عمر بن عبدالعزیزؓ دوسری
والثانیۃ وابن دقیق العید فی	میں شافعیؒ اور ساتویں میں ابن دقیق العید
السابعۃ والبلقینی فی الثامنۃ[1]	اور آٹھویں میں بلقینی۔

لیکن تقدمِ زمانی کے ساتھ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کو ان بزرگوں پر اور بھی مختلف حیثیتوں سے ترجیح حاصل ہے، ان بزرگوں کے کارنامے صرف مذہب تک محدود ہیں، لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کو خلیفہ ہونے کی حیثیت سے اسلام کے کل نظام یعنی مذہب، اخلاق، سیاست اور تمدن پر پورا اقتدار حاصل تھا، اس لئے انھوں نے ہر چیز کی اصلاح کی، چنانچہ ان تمام اصلاحات کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

خلافت حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ اگرچہ خلیفہ کے انتخاب کے متعلق اسلام کے جمہوری نظام کو دوبارہ قائم نہ کر سکے، اور اُن کو سلیمان بن عبدالملک کی وصیت کے موافق اس امانت کو یزید بن عبدالملک کے سپرد کرنا پڑا، تاہم وہ دل سے اس شخصی نظام کو پسند نہیں کرتے تھے۔

اسلام میں سب سے پہلے شخصی انتخاب کے ذریعہ سے یزید خلیفہ ہوا تھا لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ اس کو خلیفہ نہیں تسلیم کرتے تھے چنانچہ ایک بار کسی نے یزید کو امیرالمومنین کہا تو اس کو بیس کوڑے مارے[2]

تمام اولاد میں اُن کو سب سے زیادہ محبت عبدالملک سے تھی، لیکن اُن کے

[1] حسن المحاضرہ جلد اول ص ۱۳۵ [2] تاریخ الخلفاء ص ۲۰۹

انتقال کے بعد جب اُن کی زبان سے اُن کے متعلق تحسین آمیز فقرے نکلے تو مسلم نے کہا کہ اے امیر المومنین اگر وہ زندہ رہتے تو آپ اُن کو ولی عہد مقرر کرتے؟ بولے "نہیں" انھوں نے کہا کیوں؟ اُن کی تعریف تو آپ بہت کرتے ہیں، بولے مجھے خوف ہے کہ محبت پدری سے کہیں وہ مجھے محبوب نہ نظر آتے ہوں[1]

خلیفہ کے شخصی انتخاب کے علاوہ شخصیت کا اثر اور بھی مختلف صورتوں میں نظر آتا تھا، مثلاً تمام خاندانِ شاہی کو غیر معمولی اقتدار حاصل ہو گیا تھا خلفاء کی طرف سے اُن کو خاص وظائف و عطایا ملتے تھے، وہ ہر جگہ علانیہ تمام قوم سے ممتاز نظر آتے تھے، خلیفہ کو رعایا پر غیر معمولی تفوق حاصل تھا، یہاں تک کہ نماز کے بعد اُن پر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح درود بھیجا جاتا تھا، لوگ مخصوص طور پر اُن کو سلام کرتے تھے، وہ چلتے تھے تو ساتھ ساتھ نقیب و علمبردار ہوتے تھے، وہ جنازے میں شریک ہوتے تھے تو اُن کے لئے ایک خاص چادر بچھائی جاتی تھی لیکن حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے خلیفہ ہونے کے ساتھ ہی ان تمام نشیب و فراز کو مٹا کر سطح کو بالکل ہموار کر دیا چنانچہ وظائف کی تقسیم میں ایسا مساویانہ طریقہ اختیار کیا کہ جو لوگ تفریق و امتیاز کے خوگر تھے وُہ ان سے بالکل الگ ہو گئے[2]

ایک بار تمام مروانی خاندان اُن کے پاس آیا، اور اپنے قدیم شخصی اقتدار کی بنا پر اُن سے ملامت آمیز الفاظ میں کہا کہ آپ سے پہلے خلفاء ہمارے ساتھ جو مراعات کرتے تھے، آپ نے اُن کو بالکل نظر انداز کر دیا، بولے اگر پھر تم نے اس قسم کا مجمع کیا تو مدینہ چلا جاؤں گا اور خلافت کو جمہوری کر دوں گا، ایمنش

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ۲۴۰ [2] سیرت عمر بن عبد العزیز رضؓ ص ۴

یعنی قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیقؓ خلافت کے اہل ہیں، اور مجھے انکا نام یاد ہے[1]

خاندانِ شاہی کو عام مسلمانوں پر جو تفوق و امتیاز حاصل ہو گیا تھا اس کی نسبت ابو بکر بن حزم کو لکھا کہ دربارِ عام میں کسی کو کسی پر اس لئے ترجیح نہ دو کہ وہ خاندانِ خلافت سے تعلق رکھتا ہے، یہ لوگ میرے نزدیک تمام مسلمانوں کے برابر ہیں[2] ایک بار اُن کے دربار میں مسلمہ بن عبد الملک بحیثیت فریق مقدمہ کے حاضر ہوا، اور درباری فرش پر بیٹھ گیا، بولے اس حالت میں میرے سامنے فرش پر نہ بیٹھو، اگر یہ گوارا نہیں ہے تو کسی کو وکیل مقرر کر دو ورنہ سب کے ساتھ برابر بیٹھو[3]

خلفاء پر نماز کے بعد جو درود و سلام بھیجا جاتا تھا اس کے انسداد کے لئے عاملِ جزیرہ کے نام ایک فرمان جاری کیا، کہ جن وعظ پیشہ لوگوں نے یہ بدعت ایجاد کی ہے اُن کو ہدایت کر دو کہ درود کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص اور دعا کو تمام مسلمانوں کے لئے عام کر دیں اور بقیہ تمام چیزوں کو چھوڑ دیں[4] خود اپنے متعلق لکھا کہ مخصوص طور پر میرے لئے دعاء نہ کرو، عموماً تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لئے دعا کرو، اگر میں اُن میں ہوں گا تو میں بھی اُن میں شامل ہو جاؤں گا[5] ایک بار کسی نے اُن کو خصوصیت کے ساتھ سلام کیا تو بولے سلام عام طور پر کیا کرو[6]

خلفاء کے ساتھ نقیب اور علم بردار کے چلنے کا طریقہ زیاد نے ایجاد کیا تھا اور

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن عبد العزیز ص ۲۵۳ [2] ایضاً ص ۲۵۲ [3] سیرۃ عمر بن عبد العزیز رضؓ ص ۳۷ [4] ایضاً ص ۲۳۶ [5] طبقات ابن سعد ص ۲۸۰ [6] ایضاً ص ۲۸۳.

حضرت امیر معاویہؓ نے ذاتی حفاظت کے لئے سب سے پہلے پہرہ دار مقرر کئے تھے لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے خلیفہ ہونے کے ساتھ ہی اس رسم کو بالکل مٹادیا چنانچہ جب وہ سلیمان بن عبدالملک کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہوکر بہ حیثیت خلیفہ کے روانہ ہوئے تو کوتوال نیزہ لئے ہوئے ساتھ ساتھ چلا، لیکن انھوں نے اس کو سامنے سے ہٹادیا، اور کہا کہ مجھے اس سے کیا غرض، میں تو صرف مسلمانوں کا ایک فرد ہوں چنانچہ سب کے ساتھ مسجد میں گئے اور اپنی خلافت کا اعلان کیا[1]

قصرِ شاہی میں خلفاء کے لئے جو فرش مخصوص طور پر بچھایا جاتا تھا اس کو فروخت کرکے اس کی قیمت بیت المال میں داخل کردی[2] خلفاء کے لئے نماز جنازہ کی شرکت کے وقت جو چادر عام مسلمانوں سے الگ خاص طور پر بچھائی جاتی تھی، جب وُہ ایک جنازہ میں اُن کے لئے بچھائی گئی تو اُس کو پاؤں سے ہٹاکر زمین پر بیٹھ گئے[3] غرض حضرت معاویہؓ کے زمانہ سے لے کر سلیمان بن عبدالملک کے زمانہ تک شخصیت کے مرقع میں جو نقش آرائیاں کی گئی تھیں انھوں نے اُن سب کو مٹادیا، اور تمام دنیا کو دربارِ خلافت میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی سادہ تصویر نظر آگئی۔

مذہب مذہب، عقائد و اعمال کے مجموعہ کا نام ہے اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانے میں یہ دونوں اجزاء زنگ آلود ہو گئے تھے، عقائد میں قضا و قدر کا مسئلہ اس قدر دقیق ہے کہ عام لوگوں کو اس کے متعلق غور و فکر کرنے کی اجازت دی جائے تو عقائدِ اسلام کی پُرعظمت سادگی دفعۃً خاک میں مل جائے، اس بنا پر

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۵۳ [2] ایضاً ص ۵۴ [3] ایضاً ص ۵۷

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانہ میں جب یہ خطرناک مسئلہ پیدا ہوا، اور غیلان دمشقی نے اس کا غلغلہ بلند کیا تو انھوں نے اس سے توبہ کرائی، اور بظاہر اس نے توبہ بھی کرلی[1]

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اگرچہ مسلمانوں کی خون ریزی سے اس قدر اجتناب کرتے تھے کہ خوارج کی گردنیں بھی اُن کی تلوار سے محفوظ ہو گئی تھیں لیکن اس مسئلہ کے استیصال پر اُن کو اس قدر کد و اصرار تھا کہ اس عقیدے والوں کا قتل تک جائز رکھتے تھے، چنانچہ ایک بار ابوسہیل سے پوچھا کہ قدریہ کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ انھوں نے کہا کہ اگر وہ توبہ کرلیں تو بہتر ہے ورنہ اُن کی گردن اُڑا دینی چاہیئے، بولے یہی رائے ہے، یہی رائے ہے[2]

مذہبی اعمال میں نماز و زکوٰۃ دو چیزیں ہیں، جن کا ذکر قرآن مجید میں ہر جگہ ایک ساتھ کیا گیا ہے لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور سے پہلے ان دونوں کا نظام درہم برہم ہو گیا تھا، نماز میں اصلی چیز پابندیٔ وقت ہے، اور جیسا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا خیال تھا قرآن مجید کی اس آیت میں۔

فخلف من بعدھم خلف — پس ان کے بعد ایک ایسی نسل پیدا ہوئی

اضاعوا الصلوٰۃ واتبعوا — جس نے نماز کو برباد کردیا اور شہوات کے

الشھوات فسوف یلقون غیا — پیچھے پڑ گئی یہ لوگ عنقریب گمراہ ہوں گے۔

اضاعتِ صلوٰۃ سے یہی وقت کی عدم پابندی مراد ہے، لیکن امرائے بنو امیہ بالخصوص حجاج نے اوقاتِ نماز کی پابندی بالکل ترک کردی تھی اس لئے حضرت

[1] تاریخ الخلفاء ص ۲۲۶ [2] طبقات ابن سعد ص ۲۸۳

عمر بن عبد العزیزؒ نے عدی بن ارطاۃ کے نام ایک فرمان لکھا، جس میں خاص طور پر اس طرف توجہ دلائی۔

فلا تستن بسنته فانه کان	حجاج کی تقلید نہ کر، کیونکہ وہ نماز بے
یصلی الصلوٰۃ لغیر وقتہا[1]	وقت پڑھتا تھا۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے یہ شرف سلیمان بن عبد الملک کو حاصل ہوا، لیکن درحقیقت وہ بھی حضرت عمر بن عبد العزیزؒ ہی کے نیک مشورہ کا نتیجہ تھا، چنانچہ علامہ موصوف خود کہتے ہیں۔

و من محاسنہ ان عمر بن عبد العزیز	اور سلیمان بن عبد الملک کی خوبیوں میں
کان لہ کالوزیر فکان یمتثل	سے ایک خوبی یہ ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ
اوامرہ فی الخیر فعزل عمال الحجاج	مثل اس کے وزیر کے تھے اور وہ نیکی کے
واخرج من کان فی سجن العراق	کاموں میں اُن کے حکم پر عمل کرتا تھا اس
واحی الصلوٰۃ لاول مواقیتہا	لئے اس نے حجاج کے عمال کو معزول کیا
وکان بنو امیۃ اماتوھا	عراق کے قید خانہ کے قیدیوں کو رہائی دی
بالتاخیر[2]	اور اوّل وقت میں نماز کو قائم کیا حالانکہ

بنو امیہ نے تاخیرِ وقت کرکے اس کو مردہ کر دیا تھا۔

زکوٰۃ کے جو شرعی مداخل و مخارج تھے۔ حجاج نے ان کی پابندی بالکل ترک کر دی تھی، لیکن حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے عدی بن ارطاۃ گورنر بصرہ کو اس طرف توجہ دلائی، اور اس معاملہ میں اُن کو حجاج کی تقلید سے روکا۔[3]

۱ سیرت عمر بن عبد العزیز ص ۸۷ و ۸۸ ۲ تاریخ الخلفاء ۲۲۶ ۳ سیرۃ عمر بن عبد العزیز ص ۸۸

خلفائے بنو امیہ نے مذہب کے متعلق سب سے بڑی بدعت جو ایجاد کی تھی وہ یہ تھی کہ حضرت علیؓ پر علانیہ خطبے میں لعن طعن کرتے تھے، اور چونکہ لوگ اس کا سننا گوارا نہیں کرتے تھے، اور خطبہ سننے سے پہلے ہی اُٹھ جایا کرتے تھے، اس لئے امیر معاویہؓ نے نمازِ عیدین سے پہلے ہی خطبہ پڑھنا شروع کیا جو دوسری بدعت تھی لیکن حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے تمام گورنروں کے نام فرمان جاری کیا اور خطبے میں حضرت علیؓ کے متعلق جو نا ملائم الفاظ شامل کر دیئے گئے تھے اُن کو نکلوا دیا اور اُن کی جگہ قرآن مجید کی یہ آیت:

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان	خداوند تعالیٰ عدل، احسان، قرابتداروں
وایتاء ذی القربیٰ وینہیٰ عن	کے دینے کا حکم دیتا ہے اور فحش، برائی
الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم	اور ظلم سے منع کرتا ہے، خدا یہ نصیحت
لعلکم تذکرون۔	اس لئے کرتا ہے کہ تم لوگ سمجھو۔

داخل کر دی جو آج تک برابر پڑھی جاتی ہے۔[1]

بیت المال کی اصلاح سیاسی حیثیت سے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے جن صیغوں میں اصلاحات کیں، ان میں سب سے مقدم چیز بیت المال ہے۔

۱۔ بیت المال مختلف قسم کی آمدنیوں کے مجموعے کا نام ہے جن میں ہر ایک کے مصارف و مداخل جدا جدا ہیں، غالباً حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے زمانے سے پہلے یہ تمام آمدنیاں ایک ہی جگہ جمع ہوتی تھیں، لیکن انھوں نے خمس، صدقہ اور فَے کے متعلق الگ الگ بیت المال قائم کئے اور ہر ایک قسم کی آمدنی کو الگ الگ

۱ تاریخ الخلفاء ص ۲۴۴

جمع کیا۔[1]

۲۔ بیت المال درحقیقت مسلمانوں کا مشترکہ خزانہ ہے، جس سے ہر مسلمان علی السّویہ فائدہ اُٹھا سکتا ہے، لیکن حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ کے دور سے پہلے تمام خاندانِ شاہی کو عام مسلمانوں سے الگ الگ مخصوص وظیفہ ملتا تھا جس کو وظائفِ خاصہ کہتے تھے۔ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ نے اس کو کلیتہً بند کر دیا۔

۳۔ مداحانہ قصائد کے صلے میں شعراء کو بیت المال سے جو انعامات ملتے تھے ان کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بالکل موقوف کر دیا، ایک بار جریر نے چند اشعار پڑھے تو بولے میں کتاب اللہ میں تمہارا حق نہیں پاتا، اس نے کہا میں مسافر بھی تو ہوں، اس پر پچاس اشرفیاں اپنے پاس سے دیں۔[2]

۴۔ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ کے دور سے پہلے یہ دستور تھا کہ عمال عشاء اور فجر کے وقت نماز کو جاتے تھے تو آدمی ساتھ ساتھ شمع لے کر چلتا تھا اور اس کے مصارف کا بار بیت المال پر پڑتا تھا، جمعہ کے دن اور رمضان کے مہینے میں مسجد نبوی میں جو خوشبو سلگائی جاتی تھی اس کے مصارف بھی بیت المال سے ادا ہوتے تھے لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے یہ دونوں رقمیں بند کر دیں۔[3]

۵۔ بیت المال کی آمدنیوں میں خمس کے پانچ مصرف متعین ہیں جن کے علاوہ ان کو کسی دوسری جگہ صرف نہیں کیا جا سکتا، لیکن حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ سے پہلے جو خلفاء تھے وہ ان مصارف کا لحاظ نہیں کرتے تھے، مصارف خمس میں سب سے مقدم مصرف اہل بیت ہیں، لیکن ولید اور سلیمان بن عبدالملک نے باوجود حضرت

[1] طبقات ابن سعد ص ۲۵۸ و ۲۵۹ [2] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۸۵ [3] ایضاً ص ۸۲

عمر بن عبدالعزیزؒ کے سمجھانے بجھانے کے اُن کو بالکل اس حق سے محروم کر دیا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے خلیفہ ہونے کے ساتھ ہی خمس کو ان کے صحیح مصارف میں صرف کیا، اور اہلِ بیت کو اُن کا حق دیا۔[1]

ان اصلاحات کے ساتھ بیت المال کی حفاظت اور نگرانی کا اس قدر سخت انتظام کیا، کہ ایک بار یمن کے بیت المال سے ایک دینار گم ہو گیا، تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کے افسر کو لکھا کہ میں تمہاری امانت پر کوئی الزام نہیں لگاتا لیکن تمہاری بے پروائی و غفلت کو مجرم قرار دیتا ہوں، میں مسلمانوں کے مال کا اُن کی طرف سے مدعی ہوں، تم پر فرض ہے کہ قسم کھاؤ۔[2]

دفتر کے لئے بیت المال سے کاغذ کے واسطے جو رقم ملتی تھی، اس کی نسبت ابوبکر بن حزم کو لکھا کہ قلم کو باریک کر لو اور سطریں قریب قریب لکھو اور تمام ضروریات میں کفایت شعاری کرو، کیونکہ میں مسلمانوں کے خزانے میں سے ایسی رقم صرف کرنا پسند نہیں کرتا جس کا فائدہ ان کو نہ پہنچے۔[3]

محاصل کی اصلاح

خراج، جزیہ اور ٹیکس ملکی محاصل ہیں، اور انہی کی باقاعدگی پر ملک اور سلطنت دونوں کے قیام، شادابی اور سرسبزی کا دارومدار ہے لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے عہدِ خلافت سے پہلے ان تمام چیزوں کا نظام اس قدر ابتر ہو گیا تھا کہ وہ رعایا کے لئے بالکل ایک جبری چیز بن گئی تھیں۔

۱۔ اسلام میں جزیہ صرف غیر قوموں کے لئے مخصوص تھا، اس لئے اگر کوئی عیسائی، یہودی یا مجوسی مذہبِ اسلام میں داخل ہو جاتا تھا تو وہ اس سے بالکل بری

[1] طبقات ابن سعد ص ۲۵۸ و ۲۵۹ [2] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۸۵ [3] ایضاً ص ۸۲

ہوجاتا تھا، لیکن حجاج نے اس فرق و امتیاز کو بالکل مٹا دیا تھا، اور وہ نومسلموں سے
بھی جزیہ وصول کرتا تھا۔

تاریخ مقریزی میں ہے:-

واول من اخذ الجزیۃ ممن اسلم من اھل الذمۃ الحجاج[1]	ذمیوں میں جو لوگ مسلمان ہوجاتے ان سے سب سے پہلے حجاج نے جزیہ وصول کیا۔

۲۔ نوروز اور مہرجان پارسیوں کا تہوار تھا، اور اس تہوار کے رسم و رواج کے پابند صرف پارسی ہوسکتے تھے، لیکن امیر معاویہؓ نے اُن تہواروں کو رعایا سے ایک غیر معمولی رقم بطور ہدیہ کے لینا شروع کی تھی جس کی مقدار ایک کروڑ تھی[2]

۳۔ حجاج کا بھائی محمد بن یوسف جب یمن کا گورنر مقرر ہوا تو اس نے وہاں کے باشندوں پر سخت مظالم کئے، اور اُن پر ایک جدید ٹیکس لگایا[3]

۴۔ فرات میں کچھ خراجی زمین تھی، لیکن جب وہاں کے کچھ لوگ مسلمان ہوگئے اور کچھ اراضی دوسرے لوگوں کے ہاتھ سے نکل کر مسلمانوں کے قبضے میں آگئی تو حسب معمول عشری ہوگئی، لیکن حجاج نے اپنے زمانے میں اُن لوگوں سے پھر خراج وصول کیا[4]

۵۔ رعایا پر مختلف قسم کے ٹیکس لگائے گئے تھے، روپیہ ڈھالنے پر ٹیکس، چاندی پگھلانے پر ٹیکس، عرائض نویسی پر ٹیکس، دوکانوں پر ٹیکس، گھروں پر ٹیکس، پن چکیوں پر ٹیکس، نکاحانہ، غرض کوئی چیز ٹیکس سے بری نہ تھی، اور یہ تمام

۱؎ مقریزی جلد اول ص ۸۰،
۲؎ یعقوبی جلد دوم ص ۲۵
۳؎ فتوح البلدان ص ۴۰۸
۴؎ فتوح البلدان ص ۲۷۵

ٹیکس ماہوار وصول کئے جاتے تھے اور اس لئے اس کو مالِ ہلالی کہا جاتا تھا[1]

حضرت عمر بن عبد العزیزؓ تختِ خلافت پر متمکن ہوئے تو اُن کو نظر آیا کہ ان میں بعض قسم کی آمدنیاں شرعاً ناجائز ہیں، اور بعض سے رعایا پر غیر معمولی بار پڑ رہا ہے، اس لئے انھوں نے اُن کو یک لخت موقوف کردیا۔

۱۔ نومسلموں سے جو جزیہ وصول کیا جاتا تھا اس کی نسبت حیان بن شریح کو لکھا کہ ذمیوں میں جو لوگ مسلمان ہوگئے ہیں ان کا جزیہ ساقط کر دیا جائے کیونکہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:-

فان تابوا واقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ فخلوا سبیلھم ان اللہ غفور رحیم۔	جو لوگ توبہ کریں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں اُن کی راہ چھوڑ دے بے شبہ خدا مغفرت کرنے والا مہربان ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:-

قاتلوا الذین لا یومنون باللہ ولا بالیوم الاخر ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتاب حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون۔	اہل کتاب میں ان لوگوں سے لڑو جو خدا پر اور روز قیامت پر ایمان نہیں لاتے اور خدا اور خدا کے رسول نے جس چیز کو حرام کردیا اس کو حرام نہیں سمجھتے اور حق مذہب کی پابندی نہیں کرتے یہاں تک کہ وہ ذلت کے ساتھ جزیہ دیں۔

اس حکم کی بناء پر اس کثرت سے لوگ اسلام لائے کہ جزیہ کی آمدنی دفعۃً گھٹ گئی

۱؎ مقریزی جلد اول ص ۸۰،

چنانچہ حیان بن شریح نے ان کو اطلاع دی کہ ذمیوں کے اسلام نے جزیہ کو اس قدر نقصان پہنچایا کہ میں نے تیس ہزار اشرفیاں قرض لے کر مسلمانوں کے عطیے تقسیم کئے، لیکن حضرت عمر بن عبد العزیز رضؓ نے اس کی کچھ پرواہ نہیں کی، اور لکھا کہ میں نے جب تمہیں مصر کا عامل مقرر کیا تھا، اسی وقت تمہاری کمزوری سے واقف تھا، میں نے قاصد کو حکم دیا ہے کہ تمہارے سر پر کوڑے لگائے جزیہ کو موقوف کرو، کیونکہ خدا نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہادی بنا کر بھیجا تھا، نہ کہ محصل خراج[1]

حیرہ کے یہودی، عیسائی اور مجوسی جن سے جزیہ کی رقم وصول ہوتی تھی جب اسلام لائے تو عبد الحمید بن عبد الرحمٰن نے اُن سے جزیہ وصول کرنا چاہا اور حضرت عمر بن عبد العزیز سے اس کی اجازت طلب کی، انھوں نے لکھا کہ خدا نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو داعیٔ اسلام بنا کر بھیجا تھا نہ کہ محصلِ خراج، ان مذاہب کے لوگوں میں جو لوگ اسلام لائیں اُن کے مال میں صرف صدقہ ہے جزیہ نہیں[2]

جراح کی نسبت جب اُن کو معلوم ہوا کہ وہ نومسلموں سے جزیہ وصول کر رہے ہیں تو اُن کو معزول کر دیا[3]

نومسلموں کے جزیہ کی موقوفی پر اُن کو اس قدر اصرار تھا کہ ایک بار لکھا کہ اگر ایک ذمی کا جزیہ ترازو کے پلّوں میں رکھا جا چکا ہو، اور اسی حالت میں وہ اسلام قبول کر لے تو اس کا جزیہ معاف کر دیا جائے، اُن کا قول تھا کہ اگر سال تمام سے ایک دن پیشتر بھی کوئی ذمی مسلمان ہو جائے تو اس سے جزیہ نہیں لیا جا سکتا[4]

---

[1] مقریزی جلد اول ص ۷۷، ۷۸، [2] کتاب الخراج ص ۵، [3] یعقوبی ج ۲ ص ۳۶۲، ۳۶۲
[4] طبقات ابن سعد ص ۲۶۲

۲۔ نوروز اور مہرجان کے ہدیے کے متعلق حکم دیا کہ ان تہواروں میں اُن کے پاس کوئی چیز نہ بھیجی جائے[1]

۳۔ حجاج کے بھائی محمد بن یوسف نے اہلِ یمن پر جو جدید خراج مقرر کیا تھا اس کو بالکل معاف کر دیا، اُن پر صرف عشر مقرر کیا[2]

۴۔ فرات کے مسلمانوں کو جن زمینوں کو حجاج نے دوبارہ خراجی قرار دیا تھا ان کو عشری قرار دیا[3]

۵۔ رعایا پر جو نامناسب ٹیکس لگائے گئے تھے اُن کی موقوفی کا حکم دیا، عربی زبان میں اس قسم کے ٹیکسوں کو مکس کہتے ہیں، اس لئے فرمایا کہ یہ مکس نہیں بلکہ بخس ہے۔ وہ بخس جس کی نسبت خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَاءَهُمْ وَ لَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ[4]	لوگوں کی چیزوں میں کمی نہ کرو اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ

ان اصلاحات کے ساتھ ہمیشہ یہ خیال رکھتے تھے کہ صدقہ و زکوٰۃ ناجائز طریقہ سے وصول نہ کیے جائیں، پہلے پُلوں اور شاہراہوں پر محصل زکوٰۃ و صدقہ وصول کرتے تھے لیکن جب اُن کو معلوم ہوا کہ لوگ اس طریقہ سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں، تو اس کو بالکل موقوف کر دیا، اور ہر شہر میں ایک عامل مقرر کیا جو زکوٰۃ وصول کرتا تھا[5]

خراج کے متعلق انھوں نے عبد الحمید بن عبد الرحمٰن کو جو فرمان لکھا تھا، اس کو قاضی ابو یوسف نے بلفظہ نقل کر دیا ہے چونکہ اس سے حضرت عمر بن عبد العزیز رضؓ

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۲۷۶ [2] فتوح البلدان ص ۸۰ [3] فتوح البلدان ص ۲۷۵
[4] مقریزی ج ۱ ص ۱۱۳ و طبقات ابن سعد ص ۲۸۳ [5] ایضاً ص ۲۷۹

کے طرزِ عمل کا نہایت تفصیل کے ساتھ اندازہ ہوتا ہے، اس لئے ہم اس کا لفظی ترجمہ کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

"زمین کا معائنہ کرو، بنجر زمین کا بار آباد زمین پر اور آباد زمین کا بار بنجر زمین پر نہ ڈالو، بنجر زمینوں کا معائنہ کرو اگر ان میں کچھ صلاحیت ہو تو بقدر گنجائش اس سے خراج لو، اور اس کی اصلاح کر دو تاکہ آباد ہو جائے جن آباد زمینوں سے کچھ پیداوار نہیں ہوتی، اُن سے خراج نہ لو، اور جو زمینیں قحط زدہ ہو جائیں ان کے مالکوں سے نہایت نرمی کے ساتھ خراج وصول کرو۔ خراج میں صرف وزن سبعہ لو جن میں سونا نہ ہو، ٹکسال اور چاندی پگھلانے والوں سے ٹیکس، نوروز اور مہرجان کے ہدیے، عرائض نویسی اور فتوح کا ٹیکس، گھروں کا ٹیکس اور نکاحانہ نہ لو، اور جو ذمی مسلمان ہو جائیں ان پر خراج نہیں ہے[1]"

یہ عجیب بات ہے کہ باوجود اس واگذاشت، اس مراعات اور اس رفق و ملاطفت کے حضرت عمر بن عبد العزیز رض کے زمانہ میں جو مال گذاری وصول ہوئی، اس کے حجاج کے پُر مظالم زمانہ کو کوئی نسبت نہیں (حضرت عمر بن عبد العزیز رض خود فرماتے تھے کہ "خدا حجاج پر لعنت کرے اس کو نہ دین کی لیاقت تھی نہ دنیا کی) حضرت عمر بن الخطاب رض نے عراق سے ۱۰ کروڑ ۲۸ لاکھ درہم، زیاد نے ۱۰ کرور ۱۵ لاکھ درہم اور حجاج نے باوجود ظلم کے ۲ کرور ۸۰ لاکھ درہم وصول کئے، اس لئے کاشت کاروں کو ۲۰ لاکھ درہم زمین کی آبادی کے لئے بطور قرض کے دیئے تو ایک

---

[1] کتاب الخراج ص ۴۹۔

کرور ۶۰ لاکھ اور وصول ہوئے، لیکن باوجود اس ویرانی کے عراق میرے قبضہ میں آیا تو میں نے ۱۰ کرور ۲۴ لاکھ درہم وصول کئے، اور اگر زندہ رہا تو حضرت عمر بن الخطاب رض کے زمانے سے بھی زیادہ وصولی کروں گا[1]۔

جیل خانہ کی اصلاح مجرموں کو جرائم پر سزا دینا اگرچہ قیام امن کے لئے ضروری ہے، تاہم وحشت و تمدن کے لحاظ سے سزا کی نوعیت اور مجرمین کی حالت میں اختلاف ہوتا رہتا ہے، اسلام چونکہ ایک متمدن سلطنت کا بانی تھا، اس لئے اس نے قیدیوں کے ساتھ اُن تمام مراعات کو قائم رکھا جو مقتضائے انسانیت تھیں اُن مراعات کی ابتدا سب سے پہلے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کی، اور حکم دیا کہ قیدیوں کے کھانے کپڑے کا انتظام بیت المال سے کیا جائے، اُن کے بعد اگرچہ تمام خلفاء نے اس طریقہ کو قائم رکھا[2]، لیکن حضرت عمر بن عبد العزیز رض کے زمانے تک اس میں متعدد خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں۔

۱۔ ولید صرف شبہہ کی بناء پر لوگوں کو گرفتار کرتا تھا، اور ان کو قتل تک کی سزا دیتا تھا[3]۔

۲۔ جو قیدی اپنے وطن اور اعزہ و اقارب سے دُور قید خانہ میں مر جاتے تھے اُن کی لاش دو دو دن تک قید خانہ میں پڑی رہتی تھی، خود قیدی باہم صدقہ و خیرات کی رقمیں جمع کر کے مزدوروں کے ذریعہ سے قبرستان تک اُن کی لاش پہنچوا دیتے تھے۔ اور وہ بلا غسل و کفن و بلا نماز جنازہ دفن کر دیئے جاتے تھے[4]۔

---

[1] معجم البلدان ذکر سواد [2] کتاب الخراج ص ۸۸ [3] یعقوبی جلد ۲ ص ۲۴۸
[4] کتاب الخراج ص ۸۹

۲۔ اسلام نے خود جن جرائم پر سزائیں مقرر کر دی ہیں، ان میں تو کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا، تاہم اسلام نے تعزیر کی کوئی تحدید نہیں کی ہے اور اس کو خود امام کی رائے پر چھوڑ دیا ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیز رضؓ کے زمانہ میں عمال نے اس میں اس قدر سختیاں کر دی تھیں کہ بعض جرائم پر بلکہ صرف الزام و شبہہ پر تین تین سو کوڑے مارتے تھے۔[1]

(۱) حضرت عمر بن عبدالعزیز رضؓ نے ان تمام ظالمانہ طریقوں کی طرف توجہ کی اور ان میں ہر ایک کو مٹایا۔

موصل میں چوری کی وارداتیں بکثرت ہوتی تھیں، اس لئے اس کے انسداد کے لئے وہاں کے عامل نے اُن سے دریافت کیا کہ میں لوگوں کو شبہہ پر گرفتار کر کے سزا دوں؟ انھوں نے جواب دیا کہ طریقہ سنت کے موافق ان کو شہادت کی بناء پر گرفتار کرو، اگر حق اُن کی اصلاح نہیں کر سکتا تو خدا ان کی اصلاح نہ کرے۔[2]

(۲) قیدیوں کے بے گور و کفن چھوڑ رکھنے کا جو طریقہ جاری ہو گیا تھا، اس کی نسبت عمال کو لکھا کہ اسلام میں یہ کتنا بڑا گناہ ہے۔[3]

(۳) شبہہ پر جو سخت سزائیں دی جاتی تھیں اس کی نسبت اخلاقی حیثیت سے کہا کہ یہ بالکل جائز نہیں ہے، بجز شرعی حقوق کے ہر حال میں مسلمانوں کی پیٹھ بالکل محفوظ ہے۔[4]

اور قانونی طور پر تعزیر کی تحدید کر دی، جس کی انتہائی مقدار ۳۰ کوڑے تھی،[5] اور

[1] کتاب الخراج ص ۸۹ [2] سیرت عمر بن عبدالعزیز رضؓ ص ۹۰، [3] کتاب الخراج ص ۹۱

[4] ایضاً ص ۸۹ [5] طبقات ابن سعد ص ۲۸۴

کے ساتھ قیدیوں کے ساتھ مختلف قسم کی مراعات کیں۔

(۱) عام حکم دیا کہ کسی مسلمان قیدی کو اتنی بھاری بیڑیاں نہ پہنائی جائیں کہ وہ نماز نہ پڑھ سکیں، اور قاتل کے سوا رات کو تمام مجرمین کے پاؤں سے بیڑیاں اُتار دی جائیں۔[1]

(۲) قیدیوں کو جو کھانا ملتا تھا، اس کی نسبت ملازمین جیل کو بددیانتی کا خیال تھا، اس لئے حکم دیا کہ کھانے کے بجائے اُن کو ماہوار روپیہ دیا جائے۔[2]

(۳) قیدیوں کی مختلف نوعیت اور مختلف حالت کے لحاظ سے اُن کے لئے الگ الگ احکام جاری کئے، چنانچہ تمام صوبوں کے گورنروں کو لکھا کہ اگر بیمار قیدیوں کے عزیز و اقارب نہ ہوں یا اُن کے پاس مال نہ ہو تو اُن کی خبر گیری کرو، جو لوگ قرض کے بارے میں قید کئے جائیں اُن کو اور مجرموں کے ساتھ ایک کوٹھری میں نہ رکھو، اور عورتوں کو الگ قید کرو، اور جیلر ایسا شخص مقرر کرو جو قابل اعتماد ہو اور رشوت نہ لے۔

ان احکام کے ساتھ ابوبکر بن حزم کو خصوصیت کے ساتھ لکھا کہ ہفتہ کے روز جیل خانہ کا معائنہ کیا کریں[3] اور دوسرے عمال کو قیدیوں کے ساتھ سلوک کرنے کی ہدایت کی۔[4]

جیل خانہ کے متعلق انھوں نے جو فرمان جاری کیا تھا، اگرچہ اس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے، تاہم اس موقع پر ہم اس کا بلفظہٖ ترجمہ کر دینا مناسب سمجھتے ہیں

[1] کتاب الخراج ص ۸۸ [2] ایضاً ص ۸۸ [3] طبقات ابن سعد ص ۲۶۳

[4] ایضاً ص ۲۷۸

کیونکہ اس سے اُن کے طرزِ عمل پر مزید روشنی پڑے گی۔

"قید خانے میں کسی مسلمان کو اس طرح بیڑی نہ پہنائی جائے کہ وہ کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکے اور بجز قاتل کے رات کے وقت ہر قیدی کی بیڑی، اُتار لی جائے، اُن کا اتنا وظیفہ مقرر کرو جو اُن کے کھانے کے لئے کافی ہو اس کا اندازہ کر لو، اور یہ وظیفہ اُن کو ماہوار دو، کیونکہ اگر ان کو روٹی دی جائے گی تو قید خانہ کے نگران کار اس کو اڑالیں گے، اس کا انتظام ایک نیک آدمی کے سپرد کرو، جو ان کے نام کو رجسٹر میں درج کرلے، اور وہ رجسٹر اس کے پاس رہے اور وہ ہر مہینے میں بیٹھ کر ایک ایک قیدی کا نام لے کر پکارے، اور خود ہر ایک کے ہاتھ میں اس کا وظیفہ دے، جو لوگ رہا ہو جائیں اُن کا وظیفہ بند کر دیا جائے، اور ہر قیدی کو مہینے میں دس درہم دیئے جائیں، لیکن ہر قیدی کو وظیفہ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

قیدیوں کو جاڑے میں ایک قمیص اور ایک کمل اور گرمیوں میں قمیص اور تہبند دینا ہوگا، عورتوں کو بھی اسی قدر وظیفہ ملے گا، لیکن اُن کے لباس میں ایک برقع کا اضافہ کرنا ہوگا۔

قیدیوں کو اس سے بے نیاز کر دو کہ وہ بیڑیاں ہلاتے ہوئے نکلیں کہ لوگ اُن کو صدقہ وخیرات دیں، کیونکہ یہ ایک بڑا جرم ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت جو جرائم کی پاداش میں قید ہو کر اس طرح نکلے، میرا خیال ہے کہ اہلِ شرک بھی مسلمان قیدیوں کے ساتھ ایسا سلوک نہ کرتے ہوں گے پھر مسلمانوں کے ساتھ یہ برتاؤ کیوں کر جائز ہو سکتا ہے؟ یہ لوگ بھوک کی

شدت کی وجہ سے اس طرح پابند سلاسل نکلتے ہیں، اور کبھی کھانے پینے کے لئے کچھ پا جاتے ہیں اور کبھی نہیں پاتے، کوئی آدمی گناہ سے محفوظ نہیں ہے۔ اُن کی خبر گیری کرو اور جیسا کہ میں نے لکھا اُن کو وظیفہ دو، جو قیدی مر جائیں اور ان کے عزیز و اقارب نہ ہوں، اُن کی تجہیز و تکفین کا سامان بیت المال سے کیا جائے، اور نماز جنازہ کے بعد وہ دفن کئے جائیں مجھے معتمد لوگوں کے ذریعہ سے اطلاع ملی ہے کہ جب کوئی غریب الوطن، قیدی مر جاتا ہے تو وہ قید خانے میں دو دو دن تک پڑا رہتا ہے، یہاں تک کہ جیل والی سے اس کے دفن کی اجازت لے لی جاتی ہے اور جب خود قیدی اس کے لئے صدقہ جمع کرتے ہیں، اور اُجرت پر اس کی لاش کو قبرستان میں بھیجتے ہیں تو وہ بلا غسل و کفن اور بلا نماز جنازہ کے دفن کیا جاتا ہے، اسلام میں یہ کتنا بڑا گناہ ہے۔ اگر تم حدود کو جاری کرو تو قیدی کم ہو جائیں اور بدمعاش اور ڈاکو ڈرنے لگیں، اور اپنے جرائم سے باز آئیں، قیدیوں کی تعداد صرف عدم نگرانی سے زیادہ ہوتی ہے، یہ صرف قید ہے، نگرانی نہیں ہے، اپنے تمام عمال کو ہدایت کرو کہ روزانہ قیدیوں کی نگرانی کریں، جن لوگوں کی اصلاح صرف تادیب سے ہو سکے، اُن کو تادیب کر کے رہا کر دیا جائے اور جس پر کوئی مقولہ قائم نہ ہو اس کو بالکل رہا کر دیا جائے، اُن کو یہ بھی ہدایت کر دو کہ تادیب و تعزیر میں حدِ اعتدال سے آگے قدم نہ بڑھائیں، کیونکہ مجھے خبر ملی ہے کہ وہ لوگ مجرمین کو صرف شبہہ

کی بنا پر دو دو سو یا تین تین سو یا اس سے کم و بیش کوڑے لگواتے ہیں، لیکن یہ جائز نہیں ہے، مسلمان کی پیٹھ بجز حقِ شرعی کے ہر حالت میں محفوظ ہے[1]

اس فرمان کو پڑھو، اور غور کرو، کہ اس تمدن و تہذیب کے زمانہ میں قید خانے کی اصلاح کا جو معیار قائم کیا گیا ہے کیا وہ اس سے بلند ہے؟

---

[1] کتاب الخراج ص ۸۸ و ۸۹

اشاعتِ اسلام

اسلامی سلطنت طول و عرض میں اگر مشرق سے مغرب تک پھیل جائے لیکن اس میں کوئی خدا کا نام لینے والا نہ ہو تو وہ صرف سیاسی حیثیت سے اسلامی سلطنت ہوگی، مذہب کی زبان سے اس کو یہ خطاب نہ مل سکے گا، اسلامی ممالک کا تمغائے امتیاز صرف توحید کی پاک آواز ہے، اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانے میں اس کا غلغلہ ممالک محروسہ کے گوشے گوشے سے بلند ہوا انھوں نے اپنی زندگی کا ایک اہم مقصد اشاعتِ اسلام کو قرار دیا اور اس پر ہر قسم کی مادی اور اخلاقی طاقت صرف کی، جو افسر کفار کے ساتھ معرکہ آرا تھے اُن کو ہدایت کی۔

لا تقاتلن حصنا من حصون الروم ولا جماعة من جماعاتهم حتى تدعوهم الى الاسلام[1]

رومیوں کے کسی قلعہ اور کسی جماعت سے اُس وقت تک جنگ نہ کرو جب تک ان کو اسلام کی دعوت نہ دے لو۔

لوگوں کو ایتلافِ قلب کے لئے بڑی بڑی رقمیں دے کر اسلام کی طرف

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ ص ۲۶۱

مائل کیا، چنانچہ ایک بار ایک پادری کو اس غرض سے ہزار اشرفیاں دیں[1]
شاہانِ ماوراء النہر کو اسلام کی دعوت دی، اور اُن میں بعض نے اسلام قبول کیا
چنانچہ علامہ بلاذری، فتوح البلدان میں لکھتے ہیں:۔

كتب الى ملوك ماوراء النهر يدعوهم الى الاسلام فاسلم بعضهم[2]

انھوں نے ماوراء النہر کے بادشاہوں کو دعوتِ اسلام دی اور ان میں بعض اسلام لائے۔

سندھ کے سلاطین کے نام دعوت نامہ روانہ کیا تو چونکہ وہ لوگ اُن کے حُسنِ اخلاق کی شہرت پہلے سے سُن چکے تھے، اس لئے بہت سے بادشاہوں نے اسلام قبول کیا، اور اپنا نام عربی رکھا، علامہ بلاذری لکھتے ہیں:۔

فكتب الى الملوك يدعوهم الى الاسلام والطاعة على ان يملكهم ولهم ما للمسلمين وعليهم ما عليهم وقد كانت بلغتهم سيرته ومذهبه فاسلم حليشه والملوك وتسموا باسماء العرب[3]

انھوں نے بادشاہوں کو اسلام اور اطاعت کی طرف اس شرط پر دعوت دی کہ ان کی بادشاہی میں کوئی خلل نہ آئے گا اور جو حقوق مسلمانوں کے ہیں اُن کو ملیں گے، اور جو ذمہ داریاں مسلمانوں پر عائد ہوتی ہیں وہ ان پر عائد ہوں گی چونکہ تمام بادشاہوں کو ان کے کیرکٹر کا حال معلوم ہو چکا تھا، اس لئے حلیشہ اور دوسرے بادشاہ اسلام لائے اور اپنا نام عربی رکھا۔

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضؓ ص ۲۸۵ [2] فتوح البلدان ص ۴۲۶
[3] طبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن عبدالعزیز رضؓ ۲۸۵

جرّاح بن عبداللہ الحکمی کو جو خراسان کے عامل تھے، لکھا کہ ذمیوں کو اسلام کی دعوت دیں، اور وہ اسلام لائیں تو اُن کا جزیہ معاف کر دیں، چنانچہ انھوں نے اس حکم کی تعمیل کی، اور اُن کے ہاتھ پر چار ہزار ذمی اسلام لائے، جرّاح کے حُسنِ خلق کی شہرت پھیلی، تو اُن کے پاس تبّت سے وفود آئے کہ اُن کے یہاں اعیانِ اسلام روانہ کریں چنانچہ اس غرض سے انھوں نے سلیط ابن عبداللہ الحنفی کو روانہ کیا[1]

اسمٰعیل بن عبداللہ بن ابی المہاجر جو مغرب کے عامل تھے، وہ اگرچہ بذاتِ خود اس خدمت میں مصروف تھے، اور بربر کو اسلام کی دعوت دیتے تھے، لیکن جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کا دعوت نامہ پہنچا، اور اسمٰعیل نے پڑھ کر سنایا تو اس کا اس قدر اثر ہوا کہ اسلام تمام مغرب کے افق پر چھا گیا، علامہ بلاذری لکھتے ہیں:۔

ثم لما كانت خلافة عمر بن عبد العزيز ولى المغرب اسماعيل بن عبد الله بن ابى المهاجر فسار احسن سيرة ودعى البربر الى الاسلام وكتب اليهم عمر بن عبد العزيز كتبا يدعوهم لبعد الى ذالك فقرأها اسماعيل عليهم فى النواحى فغلب الاسلام على المغرب[2]

پھر جب حضرت عمر بن عبدالعزیز کا دور آیا تو انھوں نے اسماعیل بن عبداللہ بن ابی المہاجر کو مغرب کا گورنر مقرر کیا، انھوں نے نہایت عمدہ روش اختیار کی اور بربر کو اسلام کی دعوت دی، اس کے بعد خود حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے اُن کے نام دعوت نامہ روانہ کیا، اسمٰعیل نے یہ دعوت نامہ اُن کو پڑھ کر سنایا تو اسلام مغرب پر غالب ہو گیا۔

اُن کے زمانہ میں اشاعتِ اسلام کا سب سے زیادہ مؤثر سبب یہ ہوا کہ حجاج

---

[1] یعقوبی جلد ۲ ص ۳۰۲ [2] فتوح البلدان ص ۲۳۹

کی ظالمانہ روش کے مطابق نومسلموں سے اب تک جو جزیہ وصول کیا جاتا تھا انھوں نے اُس سے اُن کو بالکل بری کر دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کثرت سے لوگ اسلام لائے کہ جزیہ کی آمدنی میں دفعۃً غیر معمولی کمی پیدا ہو گئی، عمّال نے اُن کو اس کمی کی طرف توجّہ دلائی تو انھوں نے سب کو لکھ دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے داعئ اسلام بنا کر بھیجا تھا نہ کہ محصلِ خراج۔

ایک بار عدی بن ارطاۃ نے اُن کو لکھا کہ اس کثرت سے لوگ اسلام لا رہے ہیں کہ مجھے خراج میں کمی واقع ہونے کا اندیشہ ہے، انھوں نے اُن کو جواب دیا کہ میری یہ خواہش ہے کہ تمام لوگ مسلمان ہو جائیں، اور ہماری اور تمہاری حیثیت صرف ایک کاشتکار کی رہ جائے کہ اپنے ہاتھ کی کمائی کھائیں۔[1]

---

[1] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز رحؒ ص ۹۹

احیائے شریعت

خاندانِ بنو امیّہ میں جن خلفاء کا نام تاریخ کے اوراق میں روشن نظر آتا ہے اُن میں ولید، سلیمان، اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحؒ نہایت نمایاں ہیں لیکن جن خصوصیات نے اُن کے عہد خلافت کو اس قدر نمایاں کیا ہے وہ بالکل مختلف ہیں۔

ولید جیسا کہ ایک راوی بیان کرتا ہے۔

کان صاحبا بناء واتخاذ المصانع والضیاع وکان الناس یلتقون فی زمانہ فانما یسئل بعضھم بعضًا عن البناء والمصانع

عمارات وغیرہ کا بانی تھا اور لوگ اس کے زمانے میں باہم ملتے تھے تو صرف عمارات ہی کا حال پوچھتے تھے۔

اور سلیمان بن عبدالملک

کان صاحب نکاح وطعام فکان الناس یسئل بعضھم بعضًا عن التزویج والجواری۔

کھانے والا اور نکاح کرنے والا بادشاہ تھا، اس لئے اس کے عہد میں لوگ صرف شادی اور لونڈیوں کا چرچا کرتے تھے۔

لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز رضؓ نے اپنی حکومت کا ستون صرف روحانیت

بنایا اس بناء پر۔

فلما ولی عمر بن عبد العزیز کانوا یلتقون فیقول الرجل للرجل ما وردك الليلة وكم تحفظ من القرآن ومتى تختم ومتى ختمت وما تصوم من الشهر[1]

جب وہ خلیفہ ہوئے تو باہمی ملاقات میں ایک شخص دوسرے شخص سے کہتا تھا کہ رات کو تم کونسا وظیفہ پڑھتے ہو؟ تم نے کتنا قرآن یاد کیا ہے؟ تم قرآن کب ختم کروگے؟ اور کب ختم کیا تھا؟ اور مہینے میں کتنے روزے رکھتے ہو؟

لیکن یہ اُن کی دَورِ حکومت کی خصوصیت کا نہایت اجمالی بیان ہے، اس لئے ہم کو تفصیل کے ساتھ بتانا چاہیئے کہ سنتِ نبویہ کے احیاء، بدعات کے امحاء اور شرائع اسلامیہ کی ترویج واشاعت کے متعلق اُن کے کیا کیا کارنامے ہیں؟

اسلام درحقیقت چند اعمال وعقائد کے مجموعے کا نام ہے، جن کا تحفظ وبقا ہر مسلمان بادشاہ کا فرض ہے، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ان اعمال وعقائد کے تحفظ وبقاء کو اپنی اصلی زندگی کا اصلی مقصد اور اپنے دَورِ خلافت کا طرۂ امتیاز قرار دیا، چنانچہ جزیرہ کے عامل عدی بن عدی کے نام انھوں نے جو فرمان بھیجا، اس میں اس مقصد کو نہایت واضح طور پر ظاہر کردیا، چنانچہ اس فرمان کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔

ان للایمان فرائض وشرائع وحدودًا وسننًا فمن استکملها استکمل الایمان ومن لم یستکملها لم یستکمل الایمان فان اعش فسأبینها لکم حتی تعملوا بها وان امت

ایمان چند عقائد، چند احکام اور چند سنن کا نام ہے جس شخص نے ان تمام اجزاء کی تکمیل کرلی اس نے ایمان کو مکمل کرلیا اور جس شخص نے اُن کو مکمل نہیں کیا اس نے ایمان کو مکمل نہیں کیا میں اگر زندہ رہا تو ان تمام اجزاء کو تمہارے سامنے بیان

فما انا علی صحبتکم بحریص[1]

کردوں گا تاکہ تم لوگ اُن پر عمل کرو اور اگر مرگیا تو مجھے تمہارے ساتھ رہنے کی حرص بھی نہیں۔

اور اپنی زندگی میں انھوں نے ان اجزاء کو جس طرح قائم رکھا، جس طرح ان کا تحفظ کیا، اور جس طرح اُن کی ترویج واشاعت کی، اس کی نظیر کسی خلیفہ یا بادشاہ کے دَورِ حکومت میں نہیں مل سکتی۔

عقائد عقائد کے رسوخ واستحکام کا سب سے بڑا ذریعہ یہ ہے کہ مذہبی اسرار ورموز میں زیادہ غور وخوض اور موشگافی نہ کی جائے، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ اگرچہ کبھی کبھی فی اتفاقی طور پر اس قسم کے مباحث میں حصہ لیتے تھے، چنانچہ جب وہ خلیفہ ہوئے تو عون بن عبد اللہ، موسیٰ بن ابی کثیر، اور عمر بن حمزہ اُن کی خدمت میں آئے، اور مسئلہ ارجاء کے متعلق اُن سے مناظرہ کیا، اور ان لوگوں کا بیان ہے کہ انھوں نے اس مسئلہ میں اُن سے موافقت[2] کی، لیکن اس کے ساتھ وہ عام طور پر لوگوں کو کبھی اس قسم کے دقیق مسائل کی طرف مائل نہیں ہونے دیتے تھے، چنانچہ ایک بار کسی شخص نے اس قسم کا کوئی مسئلہ پوچھا تو بولے کہ مکتب کے بچوں اور صحراء کے بدوؤں کا دین اختیار کرو، اور اس کے سوا ہر چیز کو بھول جاؤ[3]، فرماتے تھے کہ جب کسی قوم کو دیکھو کہ وہ عوام کے سامنے اس قسم کی مذہبی گفت گو کرتی ہے تو سمجھو کہ گمراہی کی بنیاد ڈالتی ہے[4]

عقائد کے متعلق جو نئے نئے مسائل پیدا ہوگئے تھے اُن کو محدثین کی اصطلاح

---

1. بخاری کتاب الایمان باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی الاسلام علی خمس
2. طبقات ابن سعد جلد ۵ ص ۲۱۸ تذکرہ عون بن عبد اللہ
3. جامع بیان العلم ص ۱۵۳
4. تاریخ الخلفاء ص ۲۴۴

میں "اہواء" کہتے تھے، جو ضلالت و گمراہی کا مرادف ہے، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے زمانے میں اس قسم کے مسائل میں مسئلہ قضا و قدر کا زیادہ چرچا پھیلا ہوا تھا جس کو معبد جہنی کے بعد غیلان دمشقی نے بہت کچھ وسعت و ترقی دی تھی، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے سب سے پہلے اس سے توبہ کرائی، اور اس نے بظاہر توبہ بھی کرلی[1]، اس کے بعد ہر ممکن تدبیر سے اس کے اثر کو مٹانا چاہا، اس زمانے میں ہر قسم کے خیالات کی اشاعت و مقبولیت کا اصلی ذریعہ محدثین و فقہا تھے اس لئے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اس گروہ کو ان خیالات کے قبول کرنے سے روک دیا، کہ اُن کے ذریعہ سے یہ مرض تمام قوم میں پھیلنے نہ پائے، چنانچہ ایک بار امام مکحول سے کہا۔

ایاك ان تقول فی القدر ما	تم مسئلہ تقدیر میں ہرگز وہ نہ کہو جو غیلان
یقول ھؤلاء یعنی غیلان و اصحابہ[2]	اور اس کے پیرو کہتے ہیں

نماز عقائد کے بعد اعمال کا درجہ ہے جن میں سب سے مقدم نماز ہے خلفائے بنو امیہ بالخصوص حجاج نے نماز کے ساتھ جو غفلت برتی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پابندی اوقات نماز جو صحابہ کرام کے زمانے میں نہایت ضروری چیز خیال کی جاتی تھی بالکل جاتی رہی لیکن حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے تمام عمّال کے نام ایک فرمان بھیجا جس کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔

اجتنبوا الاشغال عند حضور الصلوٰۃ	نماز کے وقت تمام کام چھوڑ دو کیونکہ جس شخص
فمن اضاعھا فھو لما سواھا من	نے نماز کو ضائع کردیا وہ اور فرائض اسلام
شرائع الاسلام اشد تضییعا[3]	کا سب سے زیادہ ضائع کرنے والا ہوگا۔

[1] تاریخ الخلفاء ص ۲۴۴ [2] طبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن عبد العزیز، ص ۲۸۴ [3] سیرت عمر بن عبد العزیز ص ۱۰۲

اس کے علاوہ ذاتی طور پر لوگوں کو اس کی طرف توجہ دلائی، ایک بار انھوں نے ایک شخص کو مصر روانہ کرنا چاہا، اس نے جانے میں دیر کی تو آدمی بھیج کر بلوایا، وہ آیا تو فرمایا کہ گھبراؤ نہیں آج جمعہ کا دن ہے، جمعہ پڑھے بغیر یہاں سے نہ ٹلنا، ہم نے تم کو ایک جلدی کے کام کے لئے بھیجا تھا، لیکن یہ عجلت تم کو اس پر نہ آمادہ کرے کہ نماز کو وقت ٹال کے پڑھو، خدا نے اس قوم کی نسبت جس نے نماز کو برباد کردیا، اور شہوت پرستی کی فرمایا ہے کہ "وہ عنقریب ضلالت سے ملاقی ہوں گے" لیکن انھوں نے نماز کو بالکل ترک نہیں کر دیا تھا بلکہ اس کے وقت کی پابندی چھوڑ دی تھی[1]

اِن ہدایات کے علاوہ ملک میں ہر جگہ عملی طور پر نماز کا اہتمام کیا، اور مؤذنین کی تنخواہیں مقرر کیں، طبقات ابن سعد میں کثیر بن زید سے روایت ہے:۔

قدمت خناصرۃ فی خلافۃ عمر بن	میں حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی خلافت میں
عبد العزیز فرأیتہ یرزق المؤذنین	خناصرہ میں آیا تو دیکھا کہ وہ مؤذنین کو بیت
من بیت المال	المال سے وظیفہ دیتے ہیں۔

زکوٰۃ و صدقہ اگرچہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی خلافت کی یہ برکت تھی کہ جب لوگوں کو اُن کے خلیفہ ہونے کی خبر ہوئی تو نہایت سرعت سے صدقہ فطر ادا کرنا شروع کیا یہاں تک کہ اُن کے ایک عامل نے لکھا کہ اب بہت سا صدقہ فطر جمع ہوگیا ہے اپنی رائے سے اطلاع دیجئے کہ اس کو کیا کیا جائے[3]، تاہم وہ نہایت شدت کے ساتھ لوگوں کو اس کی ترغیب دیتے رہتے تھے، ایک بار خناصرہ میں عید سے ایک دن پہلے جمعہ کے

[1] سیرت عمر بن عبد العزیزؒ ص ۸۳ [2] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ ص ۲۶۲

[3] سیرت عمر بن عبد العزیز ص ۸۵

روز خطبہ دیا، جس میں لوگوں کو صدقۂ فطر دینے پر آمادہ کیا، اور کہا کہ جو لوگ زکوٰۃ نہیں دیتے اُن کی نماز مقبول نہیں ہے، لوگ آٹا اور ستّو لاتے تھے اور وہ قبول کرتے جاتے تھے[۱]

حجاج نے زکوٰۃ کا جو نظام خراب کر دیا تھا، اُس کے متعلق عمّال کو ہدایت کی کہ اس کی روش سے اجتناب کریں، چنانچہ ایک بار عدی بن ارطاۃ کو لکھا کہ میں نے زکوٰۃ کے معاملہ میں تم کو حجاج کی تقلید سے روکا ہے کیونکہ وہ اس کو غیر محل سے لیتا تھا اور غیر محل میں صرف کرتا تھا[۲]

ایک بار اُن کو عدی کی نسبت معلوم ہوا کہ شراب کا عشر لیتے ہیں تو اُن کو لکھا کہ بیت المال میں صرف حلال مال داخل کرو[۳]

لہو و نیاحت کی ممانعت | اُن فرائض کے علاوہ شریعت نے جن چیزوں کی ممانعت کی تھی اُن پر شدت کے ساتھ دار و گیر کی، ایک بار اُن کو معلوم ہوا کہ بہت سے مسلمان لہو و لعب میں مصروف ہو گئے ہیں اور بہت سی عورتیں جنازے کے ساتھ بال کھولے ہوئے نوحہ کرتی ہوئی نکلتی ہیں، تو عمّال کے نام ایک فرمان بھیجا جس کا خلاصہ یہ ہے:

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ سفہا کی عورتیں مُردے کی وفات کے وقت بال کھولے ہوئے اہلِ جاہلیت کی طرح نوحہ کرتی ہوئی نکلتی ہیں، حالانکہ جب سے عورتوں کو آنچل ڈالنے کا حکم دیا گیا، اُن کو دوپٹہ اتارنے کی اجازت نہیں دی گئی، پس اس نوحہ و ماتم پر تدغن بلیغ کر دیں، اہلِ عجم چند چیزوں سے

---

[۱] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ ص ۲۶۸ [۲] سیرت عمر بن عبد العزیز ص ۸۸
[۳] طبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن عبد العزیزؒ ص ۲۸۵

جن کو شیطان نے اُن کی نگاہ میں محبوب کر دیا تھا، دل بہلاتے تھے، پس مسلمانوں کو اس لہو و لعب اور راگ باجے وغیرہ سے روکو، اور جو باز نہ آئے اس کو اعتدال کے ساتھ سزا دو"[۱]

انسدادِ شراب نوشی | حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے شراب نوشی کے انسداد کے لئے مختلف تدبیریں اختیار کیں۔

(۱) تمام عمّال کے نام فرمان بھیجا کہ کوئی ذمّی مسلمانوں کے شہروں میں شراب نہ لانے پائے[۲]

(۲) شراب کی جو دکانیں قائم تھیں اُن کو بالکل تڑوا دیا[۳]

(۳) جو لوگ نبیذ کے حیلے سے شراب پیتے تھے ان کی نسبت عدی ابن ارطاۃ کو لکھا

"لوگوں نے اس شراب کو پی کر بدمستی کی حالت میں نہایت بُرے بُرے کام کیے، اور اکثر ان میں کہتے ہیں کہ اس شراب کے پینے سے کوئی مضائقہ نہیں، لیکن جو چیز اس قسم کے کام کراتی ہے اس کے استعمال میں سخت حرج ہے، خدا نے اور بھی بہت سی پینے کی چیزیں پیدا کر کے شراب سے بے نیاز کر دیا ہے، مثلاً آبِ شیریں، شیر خالص شہدِ مصفّا وغیرہ، پس جو شخص نبیذ بنائے وہ صرف چمڑے کے مشکیزے میں بنائے جس میں زفت کا رنگ نہ ہو، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے ظروف کی نبیذ سے منع فرمایا ہے، اس روک ٹوک کے بعد اگر کسی

---

[۱] طبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن عبد العزیزؓ ص ۲۹۰ [۲] ایضاً ص ۲۶۹
[۳] کتاب ولاۃ مصر ۶۸۔

نے اس قسم کی شراب پی تو ہم اس کو سخت سزا دیں گے، اور جس نے مخفی طور پر پی تو خدا سخت عذاب دینے والا ہے[1]

اس کے بعد جس قدر شیشے اور پیالے رہ گئے تھے وہ اُن کے ہاتھ سے چور چور ہو گئے، چنانچہ ایک راوی کا بیان ہے کہ میں نے اُن کو خناصرہ میں دیکھا کہ شراب کے مشکیزوں کے پھاڑنے اور شیشوں کے توڑنے کا حکم دے رہے ہیں[2]

مذہب اور اخلاق کے متعلق اور بھی بہت سے احکام تھے جن کی خلاف ورزی مضر نتائج پیدا کر سکتی تھی، حضرت عمر بن عبد العزیز رحؒ نے ان تمام جزئیات کی طرف توجہ کی، اور اُن سے مسلمانوں کو روکا، مثلاً اہلِ عجم کی آمیزش و اختلاط سے تمام ممالک اسلامیہ میں حمّاموں کا رواج ہو گیا تھا، اور اس میں مرد و عورت بیباکانہ جا جا کر غسل کرتے تھے، لیکن اس میں شرم و حیا اور سترِ عورت کا کافی انتظام نہیں کیا جاتا تھا، حضرت عمر بن عبد العزیز رحؒ نے عورتوں کو کلیۃً حمام میں جانے سے روک دیا، اور مردوں کی نسبت عام حکم دیا کہ بغیر تہ بند کے حمام میں غسل نہ کریں، چنانچہ اس حکم پر اس شدت کے ساتھ عمل ہوا کہ راوی کا بیان ہے کہ میں نے حمام کے مالک اور حمّام میں جانے والے دونوں کو دیکھا کہ ان کو سزا دی جا رہی ہے[3]۔

حمّاموں کی دیواروں پر تصویریں بنائی جاتی تھیں، جو اصولِ شریعت کے خلاف تھیں، ایک بار انھوں نے ایک حمام میں اس قسم کی تصویر دیکھی تو مٹا دیا اور کہا کہ اگر مصوّر کا نام معلوم ہوتا تو میں اس کو سزا دیتا[4]

---

[1] سیرت عمر بن عبد العزیز ص ۱۰۳ [2] طبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن عبد العزیز ص ۲۶۹
[3] ایضاً ص ۲۶۳ [4] سیرت عمر بن عبد العزیز رح ص ،

اسلام میں رہبانیت نہیں ہے تاہم وہ اہلِ عجم کی طرح بالکل رفاہیت اور عیش پرستی کو بھی جائز نہیں قرار دیتا، اس لئے اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بال سنوارنے کا حکم دیا ہے، تاہم اس کا یہ مقصد نہیں ہے کہ پٹیاں جمائی جائیں، حضرت عمر بن عبد العزیز رحؒ کے زمانہ میں اس قسم کے بہت سے شوقین پیدا ہو گئے تھے، اس لئے انھوں نے پولیس مینوں کو حکم دیا کہ جمعہ کے دن مسجد کے دروازوں پر کھڑے ہو جائیں اور جو شخص پٹیاں جمائے ہوئے گذرے اس کے بال کاٹ لیں[1]

حضرت عمر بن عبد العزیز رحؒ کو اس باب میں خاص اہتمام تھا کہ عرب کی قومی خصوصیات مٹنے نہ پائیں، چنانچہ ایک بار اُن کو معلوم ہوا کہ کچھ لوگ جب سامنے طشت رکھ کر وضو کرتے ہیں تو قبل اس کے طشت پانی سے بھر جائے پانی پھینک دیا جاتا ہے، تو عدی بن ارطاۃ کو لکھا کہ یہ عجمیوں کا طریقہ ہے، اب جب تک طشت بھر نہ جائے یا سب لوگ فارغ نہ ہو جائیں پانی نہ پھینکا جائے[2]

---

[1] سیرت عمر بن عبد العزیز، طبقات ابن سعد
[1] طبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن عبد العزیز ص ۲۸۲ [2] سیرت عمر بن عبد العزیز رح ص ۸۷

تدوینِ حدیث

قرآن مجید کے بعد اسلام کے احکام، اسلام کی تعلیم، اور اسلام کے اخلاق کا مجموعہ صرف وہ کلمات طیبہ ہیں جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے نکلے لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانے سے پہلے وہ صرف صحابہ اور تابعین کے سینوں میں محفوظ تھے، بخاری، مسلم، مؤطا اور حدیث کی دوسری کتابیں جو احادیث صحیحہ کا بہترین مجموعہ ہیں، اس وقت تک وجود میں نہیں آئی تھیں، اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس طرف توجہ نہ کی ہوتی تو علم حدیث کا یہ ذخیرہ وجود میں نہ آتا، لیکن انھوں نے دیکھا کہ انقضائے زمانہ کے ساتھ علماء کا گروہ روز بروز مٹتا جاتا ہے اور اس کے ساتھ علوم شرعیہ کے مٹ جانے کا بھی اندیشہ ہے، اس لئے انھوں نے قاضی ابوبکر بن حزم کو جو اُن کی طرف سے مدینہ کے گورنر تھے لکھا کہ:

انظر ما کان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاکتبہ فانی خفت دروس العلم وذهاب العلماء ولا یقبل الا حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم[1]

احادیث نبویہ کی تلاش کرکے اُن کو لو، کیونکہ مجھے علم کے مٹنے اور علماء کے فنا ہونے کا خوف معلوم ہوتا ہے، اور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث قبول کی جائے۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ابونعیم کی تاریخ اصبہان سے ایک روایت نقل کی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم صرف مدینہ اور مدینہ کے گورنر کے ساتھ مخصوص نہ تھا، بلکہ انھوں نے تمام صوبوں کے گورنروں کے پاس اسی قسم کا فرمان بھیجا تھا[1]، بہرحال اس حکم کی تعمیل کی گئی، اور جمع شدہ احادیث کے متعلق مجموعے تیار کرا کے تمام ممالک محروسہ میں تقسیم کئے گئے۔

جامع بیان العلم میں سعد بن ابراہیم سے روایت ہے:۔

امرنا عمر بن عبدالعزیز بجمع السنن فکتبناها دفترا دفترا فبعث الی کل ارض له علیها سلطان دفترا[2]

ہم کو عمر بن عبدالعزیزؒ نے جمع حدیث کا حکم دیا ہے اور ہم نے دفتر کے دفتر حدیثیں لکھیں اور انھوں نے ایک ایک مجموعہ ہر جگہ جہاں جہاں اُن کی حکومت تھی بھیجا۔

---

۱ فتح الباری جلد اول ص ۱۷۴ ۲ جامع بیان العلم ص ۳۸

تعلیمِ مذہبی کی اشاعت

(۱) احادیث کی تدوین وترتیب کے بعد دوسرا کام یہ تھا کہ عام طور پر ان کی ترویج واشاعت کی جائے، اس لئے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اسی فرمان میں قاضی ابوبکر بن حزم کو اس طرف بھی توجہ دلائی اور لکھا۔

ولیفشوا العلم ویجلسوا حتی یعلم من لا یعلم فان العلم لا یھلک حتی یکون سرا۔[1]

لوگوں کو چاہیئے کہ عام طور پر علم کی اشاعت کریں اور تعلیم کے لئے حلقہ درس میں بیٹھیں تاکہ جو لوگ نہیں جانتے وہ جان لیں کیونکہ علم اس وقت تک نہیں برباد ہوتا جب تک کہ وہ مخفی نہ رکھا جائے۔

ایک اور عامل کو لکھا۔

اما بعد فامر اھل العلم ان ینشروا العلم فی مساجدھم فان السنۃ کانت قد امیتت[1]

اہل علم کو حکم دو کہ اپنی مسجدوں میں علم کی اشاعت کریں، کیوں کہ حدیثیں مرچکی ہیں۔

(۲) اور جو لوگ اس مقدس کام میں مصروف ہوئے اُن کو فکرِ معاش اور

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۹۴

ضروریاتِ زندگی سے بالکل بے نیاز کر دیا، چنانچہ حمص میں جو علماء تھے اُن کی نسبت وہاں کے گورنر کو لکھا:۔

انظر الی القوم الذین نصبوا انفسھم للفقہ وحبسوھا فی المسجد عن طلب الدنیا فاعط کل رجل منھم مائۃ دینار یستعینون بھا علی ما ھم علیہ من بیت مال المسلمین حین یاتیک کتابی ھذا[1]

جن لوگوں نے دنیا چھوڑ کر اپنے آپ کو فقہ کی تعلیم کے لئے وقف کر رکھا ہے اُن میں ہر ایک کو جس وقت میرا خط پہنچے بیت المال سے سو دینار دو تاکہ وہ لوگ اس حالت کو قائم رکھ سکیں۔

یہ فیاضی علماء کے ساتھ مخصوص نہ تھی، بلکہ اسی فیاضی کے ساتھ طلبہ کے وظائف بھی مقرر کئے تھے[2] اُن کو علماء کی فراغِ خاطر اور جمعیتِ قلب کا اس قدر خیال تھا کہ ہر ممکن تدبیر سے اُن کی ضروریات کو پورا کرتے تھے۔

قاسم بن مخیرہ ایک محدث تھے، جو نہایت عُسر کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے وہ آئے تو ان کی جانب سے ستر دینار قرض ادا کیا، سواری دی اور ۵۰ دینار وظیفہ مقرر کر دیا[3]

ایک بار مجاہد ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو اُن کو تیس ۳۰ درہم دیئے اور کہا کہ یہ رقم میں نے اپنے عطیہ سے دی ہے[4]

(۳) بہت سے ممالک کے لوگوں کی تعلیم کے لئے خود متعدد علماء کو روانہ کیا، حضرت

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۹۵ [2] جامع بیان العلم ص ۸۸ [3] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۰۹ تذکرہ قاسم بن مخیرہ [4] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۲۹۵

نافع رحؒ جو حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے غلام اور مدینہ کے فقیہہ تھے، اُن کو مصر بھیجا کہ وہاں کے لوگوں کو حدیث کی تعلیم دیں، چنانچہ اس تعلق سے نافع نے وہاں مدتوں قیام کیا[1]

جعثل بن عاہان جو قُرّا میں تھے، اُن کو مصر سے مغرب کو بھیجا، کہ وہاں جاکر لوگوں کو قراءت کی تعلیم دیں[2]

بدوؤں کی تعلیم و تربیت کے لیے یزید بن ابی مالک دمشقی اور حارث بن یمجد الاشعری کو متعین کیا، اور اُن کے وظیفے مقرر کئے، یزید نے تو وظیفہ قبول کرلیا لیکن حارث نے وظیفہ سے انکار کیا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو خبر ہوئی تو لکھا کہ یزید نے جو کچھ کیا اس میں ہرج نہیں، اور خدا ہم میں حارث جیسے بہت سے اشخاص پیدا کرے[3]

(۴) تعلیم کے علاوہ لوگوں کے ارشاد و ہدایت کے لئے تمام ممالک محروسہ میں واعظ اور مفتی مقرر کئے، چنانچہ علاج ابو کثیر اموی کو جو اُن کے باپ کے ولی تھے اسکندریہ کا واعظ مقرر کیا[4]۔ حجاز میں جو واعظ اس خدمت پر مامور تھا اس کو حکم تھا کہ تیسرے دن لوگوں کو وعظ و پند کرے[5]

افتاء کی خدمت پر متعدد لوگ مامور تھے، اور جو لوگ مامور تھے وہ انتخاب روزگار تھے، مثلاً مصر میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے یہ خدمت یزید بن ابی حبیب کے متعلق کی تھی، اور یہ وہ بزرگ ہیں جنھوں نے سب سے پہلے اہلِ مصر کو فقہ و حدیث سے آشنا کیا، چنانچہ علامہ سیوطیؒ حسن المحاضرہ میں لکھتے ہیں۔

---

[1] حسن المحاضرہ ج ۱ ص ۱۱۹ و زرقانی شرح موطا ج ۱ ص ۲۱ [2] حسن المحاضرہ ج ۱ ص ۱۱۹

[3] سیرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۴۰، [4] حسن المحاضرہ ج ۱ ص ۱۰۵

[5] سیرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۴۰،

هو اول من اظهر العلم بمصر والمسائل فی الحلال والحرام وقبل ذٰلك كانوا يتحدثون فی الترغيب والملاحم والفتن وهو احد ثلاثة جعل اليهم عمر بن عبدالعزيزؒ الفتيا[1]۔

وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے مصر میں علم ظاہر کیا اور حلال و حرام کے مسائل کو رواج دیا وہاں کے لوگ اس سے پہلے صرف ترغیب اور جنگ وغیرہ کے متعلق روایت کرتے تھے وہ ان تین اشخاص میں ہیں جن کے متعلق حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے افتاء کی خدمت کی تھی۔

فنِ مغازی اور مناقب صحابہ کی تعلیم و اشاعت

مغازی اور مناقبِ صحابہ کی طرف اب تک علمی حیثیت سے کسی نے اعتناء نہیں کیا تھا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے خاص طور پر اُن کی طرف توجہ کی اور عاصم بن عمر بن قتادہؓ کو جو مغازی اور سیرت میں کمال رکھتے تھے، حکم دیا کہ مسجد دمشق میں بیٹھ کر مغازی اور مناقب کا درس دیں[2]

---

[1] حسن المحاضرہ جلد اول ص ۱۲۰ [2] تہذیب التہذیب ترجمہ عاصم بن عمر بن قتادہ

یونانی تصنیفات کی اشاعت

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا اصلی فرض اگرچہ کتاب وسنت کی اشاعت کرنا تھا، اور انھوں نے ہر ممکن ہر تدبیر سے اس کی اشاعت کی، تاہم غیر قوموں کے مفید علوم وفنون سے بھی انھوں نے مسلمانوں کو بالکل بیگانہ نہیں رکھا۔

طب میں ایک یونانی حکیم اہرن القس کی ایک مشہور کتاب تھی جس کا ترجمہ، ماسرجویہ نے مروان بن حکم کے زمانہ میں عربی زبان میں کیا تھا، یہ کتاب شاہی کتب خانہ میں محفوظ تھی، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کو دیکھا تو چالیس روز تک استخارہ کیا، اس کے بعد عام طور پر اس کو ملک میں شائع کیا[1]

[1] اخبار الحکماء ص ۲۱۳ تذکرہ ماسرجویہ

رفاہِ عام کے کام

اس سلسلہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے تمام ممالکِ محروسہ میں نہایت کثرت سے سرائیں بنوائیں، چنانچہ خراسان کے عامل کو لکھا کہ وہاں کے راستوں میں بہت سی سرائیں تعمیر کرائی جائیں[1]

اور سمرقند کے عامل سلیمان بن ابی السریٰ کے پاس فرمان بھیجا کہ وہاں کے شہروں میں سرائیں تعمیر کراؤ، جو مسلمان اُدھر سے گذریں یک شبانہ روز اُن کی مہمان نوازی کرو، اُن کی سواریوں کی حفاظت کرو جو مسافر مریض ہو اس کو دو رات اور دو دن مقیم رکھو۔

اگر کسی کے پاس گھر تک پہنچنے کا سامان نہ ہو تو اس قدر سامان کردو کہ اپنے وطن میں پہنچ جائے[2]

ایک عام لنگر خانہ قائم کیا جس میں تمام فقراء مساکین اور مسافروں کو کھانا ملتا تھا[3]

ممالک محروسہ میں جو چراگاہیں تھیں ان میں نقیع کے سوا تمام چراگاہوں کو

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ج ۵ ص ۲۵۴

[2] طبری ص ۱۳۶۴ [3] طبقات ص ۲۷۹

عام کردیا[1]، اور اُن کے متعلق ایک عامل کو لکھا۔

فما حمی من الارض الا یمنع احد مواقع القطر فابح الاحماء ثم الحماء[2]	جو زمینیں چراگاہ بنائی گئی ہیں تو جہاں جہاں برسات کا پانی گرے ان سے کسی کو نہ روکا جائے، اس لئے چراگاہوں کو عام کردو اور ضرور عام کردو۔

جزائر کو بھی بالکل وقفِ عام کردیا تھا[3]

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۲۵۴
[2] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۲۸۱
[3] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۲۷۷

عمارات

حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے کارنامہائے زندگی میں جو چیز سب سے زیادہ پست نظر آتی ہے وہ عمارتوں کے کنگرے ہیں، اُن کے عہدِ خلافت میں ایک عمارت بھی شاندار طور پر تعمیر نہیں ہوئی، اُنھوں نے نہایت معمولی طور پر صرف ضروری عمارتیں تعمیر کرائیں، اور ان میں بھی زیادہ تر مذہبی عمارتیں، چنانچہ ان تمام عمارتوں کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

مساجد مدینہ میں قبیلۂ بنو عدی بن النجار کی مسجد گر گئی تو قاضی ابوبکر بن حزم نے اس کی تعمیر کی طرف ان کو توجہ دلائی، اُنھوں نے جواب میں لکھا کہ میری خواہش تو یہ تھی کہ میں دنیا سے جاؤں اور ایک پتھر پر دوسرا پتھر اور ایک اینٹ پر دوسری اینٹ نہ رکھوں، لیکن اس مسجد کو متوسط پیمانے پر کچی اینٹ سے تعمیر کرادو[1]۔

علامہ ابن جبیر نے شہر راس العین کے حالات میں لکھا ہے کہ یہاں دو جامع مسجدیں ہیں، ایک جدید اور ایک قدیم، قدیم حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کی تعمیر کردہ ہے لیکن بہت پرانی ہوگئی ہے[2]"

اور دمشق کی مسجد کے ذکر میں ایک جگہ ضمناً لکھا ہے کہ اس کے شمالی دروازہ کے

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۳۰۰ [2] راحلہ ابن جبیرؒ ص ۲۴۴

سامنے ایک چھوٹی سی مسجد ہے، جو حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ کی طرف منسوب ہے[1]

تاریخ حلب میں ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کفر بیا میں گئے، اور وہاں کے لوگوں کے لئے ایک جامع مسجد اور ایک تالاب بنوایا[2]

تجدید انصاب حرم | خلفاء کے دور میں اکثر حدودِ حرم کی تجدید ہوتی رہتی تھی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحؒ نے بھی اپنے دورِ خلافت میں مدینہ کے گورنر قاضی ابوبکر بن حزم کو لکھا کہ وہ حدودِ حرم کی تجدید کرائیں[3]

قصرِ شاہی | تاریخ حلب میں ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے خناصرہ میں ایک محل تعمیر کرایا تھا، جس میں آکر اکثر قیام کرتے تھے[4] لیکن غالباً اُن کے عہد خلافت میں اس کے سوا کوئی سرکاری عمارت تعمیر نہیں ہوئی۔

ایک بار عدی بن ارطاۃ نے بصرہ کی دار الامارۃ کے اوپر بالاخانہ بنوانا چاہا تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بصرہ روک دیا، اور لکھا کہ تیرے لئے وہ مکان بھی تنگ ہے جو زیاد اور آلِ زیاد کے لئے وسیع تھا چنانچہ انھوں نے اس کی تعمیر سے ہاتھ کھینچ لیا[5]

شہروں کی آبادی | سلیمان بن عبدالملک جب ولید کی طرف سے فلسطین کا گورنر مقرر ہوا تھا، اسی وقت اس نے شہر رملہ کی بنیاد ڈالی تھی جس میں سب سے پہلے اس نے اپنا محل اور دار الصباغین تعمیر کروایا تھا جس کے وسط میں ایک تالاب بھی تھا

---

[1] رحلۃ ابن جبیر رحؒ ص ۲۶۶ [2] تاریخ مملکت حلب ص ۱۶۹

[3] طبقات ابن سعد، تذکرہ عمر بن عبدالعزیز رحؒ ص ۲۶۸

[4] تاریخ مملکت حلب ص ۵۹ [5] فتوح البلدان ص ۲۵۰

اس کے بعد ایک مسجد کی داغ بیل ڈالی تھی، لیکن ابھی اس شہر کی تعمیر کا کام جاری تھا کہ اسی زمانہ میں وہ خلیفہ ہو گیا، اور اس کے بعد خلافت میں بھی تعمیر کا کام برابر جاری رہا، اس کے انتقال کے بعد جو کمی رہ گئی تھی اس کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے پورا کیا، لیکن شہر کی داغ بیل جس وسیع پیمانے پر ڈالی گئی تھی، اس میں کمی کر دی، اور کہا کہ اہلِ رملہ کے لئے اس قدر کافی ہوگا[1]

سنہ ۱۰۰ ہجری میں رومیوں نے لاذقیہ کو جو ایک ساحلی شہر تھا برباد کر دیا، تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے از سرِ نو اس کی تعمیر اور قلعہ بندی کرائی۔

---

[1] فتوح البلدان، ص ۱۵۰ [2] فتوح البلدان ص ۱۳۹

سیاست و حکومت

فرائضِ خلافت

انسان میں مختلف قابلیتیں بہت کم جمع ہوتی ہیں، جو لوگ دماغی اور عقلی حیثیت سے ممتاز ہوتے ہیں، اُن میں اخلاقی اوصاف بہت کم پائے جاتے ہیں، جو لوگ مذہبی اعمال میں اپنی زندگی صرف کرتے ہیں وہ دنیا کے اور کام اچھی طرح انجام نہیں دے سکتے، اور جو لوگ ملکی و سیاسی کاموں کو نہایت سرگرمی کے ساتھ انجام دیتے ہیں، اُن کے ہاتھ سے مذہب اور اخلاق کا سررشتہ بالکل چھوٹ جاتا ہے لیکن قدرت کا کوئی کام استثنار سے خالی نہیں اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اس استثنار کی ایک نہایت عمدہ مثال ہیں۔

وہ جس پابندی اور مستعدی کے ساتھ مذہبی اعمال انجام دیتے تھے، اسی شوق و شغف کے ساتھ خلافت کے فرائض بھی ادا کرتے تھے، اُن کی مشغولیت کو دیکھ کر بعض اشخاص ترس کھاتے تھے، اور اُن کو آرام لینے کی ترغیب دیتے تھے لیکن اُن پر اُن کی نصیحتوں کا کوئی اثر نہیں پڑتا تھا، عام معمول یہ تھا کہ دن بھر رعایا کے معاملات اور مقدمات کے فیصلہ میں مشغول رہتے، عشاء کے بعد چراغ جلا کے بیٹھتے اور پھر یہی کام شروع ہو جاتا، اس کے بعد اربابِ رائے سے امورِ خلافت کے متعلق مشورہ

لیتے، رات کے بقیہ اوقات جو بچتے وہ عبادت گذاری اور استراحت میں صرف کرتے ایک دن رجاء بن حیوۃ نے جو اُن کے مشیرِ خاص تھے کہا کہ اے امیر المؤمنین! آپ کے اوقات تو بالکل رعایا کے معاملات میں صرف ہوتے ہیں، رات کو تھوڑا سا فرصت کا جو وقت ملتا ہے اس کو ہماری صحبت میں صرف کر دیتے ہیں، بولے لوگوں کی ملاقات سے عقل بارآور ہوتی ہے، اور مشورہ و مناظرہ رحمت کا دروازہ اور برکت کی کنجی ہے جن کی وجہ سے کوئی رائے گمراہ نہیں ہوتی[1]

اس مستعدی کی بنا پر روز کا کام اسی روز انجام دیتے، ایک دن ان کے بھائی زبان بن عبدالعزیزؒ نے اُن کو مشورہ دیا کہ کبھی کبھی سیر و تفریح کے لئے باہر نکل جایا کیجیے۔ بولے تو پھر اُس دن کا کام کیوں کر انجام پائے گا؟ انھوں نے کہا کہ دوسرے دن ہو رہے گا، بولے روز کا کام روز انجام پا جائے تو یہی بہت ہے، دو دن کا کام ایک دن میں کیونکر پورا ہوگا؟[2]

بعض اشخاص نے اُن کی فرصت کے اوقات سے متمتع ہونے کی خواہش ظاہر کی تو بولے، فرصت کہاں؟ فرصت گئی، اب صرف خدا کے یہاں فرصت نصیب ہوگی[3]۔

۱؎ یعقوبی جلد ۲ ص ۳۶۷، طبقات ابن سعد ص ۲۵۶

۲؎ سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۱۹۱ ۳؎ طبقات ابن سعد ص ۲۹۴

خصوصیاتِ حکومت

خلیفہ ہونے کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے یزید بن مہلب کے نام جو فرمان روانہ کیا اس کو پڑھ کر اس نے صاف کہہ دیا کہ "یہ اُن کے اسلاف کا کلام نہیں معلوم ہوتا اور وُہ اُن کی شاہراہ پر چلنا نہیں چاہتے[1]، یہ اُن کے نظامِ حکومت کی خصوصیات پر ایک اجمالی ریویو ہے، اس لئے ہم کو تفصیل کے ساتھ بتانا چاہیئے کہ ان کا طرزِ جہانبانی کیا تھا؟ اور وہ کن اسباب کی بنا پر تمام خلفائے بنو امیہ سے مختلف تھا؟

اگرچہ یہ اختلاف اُن کے نظامِ حکومت کے تمام جزئیات سے نمایاں ہو سکتا ہے لیکن جن خصوصیات کی بنا پر اُن کا دورِ حکومت تمام خلفائے بنو امیہ کے دورِ حکومت سے ممتاز تھا وہ حسبِ ذیل ہیں:۔

(۱) خلافتِ اسلامیہ کی بنیاد صرف کتاب و سنت اور آثارِ صحابہ پر قائم ہے، لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور سے پہلے یہ بنیاد بالکل متزلزل ہو چکی تھی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے دوبارہ اس کو قائم کیا، اور عمر بھر قائم رکھا، چنانچہ ایک بار زمانۂ حج میں خطبہ دیا، تو عام اعلان کیا کہ جو عامل کتاب و سنت پر عمل نہ کرے اس کی اطاعت فرض نہیں ہے[2]۔

[1] طبری ص ۱۳۶۲ [2] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۶۷

ایک موقع پر جب عباس بن ولید نے اُن کے سامنے ولید کے ہاتھ کی ایک سند پیش کی تو فرمایا "خدا کی کتاب ولید کی کتاب سے زیادہ قابلِ اتباع ہے"۔

ابو بکر بن حزم کا قول ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا جو خط آتا تھا اس میں سنت کے زندہ کرنے اور بدعت کے مُردہ کرنے کا حکم لازمی طور پر ہوتا تھا[1] فرماتے تھے کہ[2] اگر خدا میرے گوشت کے ٹکڑوں کے ذریعہ سے ہر بدعت کو مُردہ اور ہر سنت کو زندہ کرے یہاں تک کہ اخیر میں میری جان پر بن جائے، تو یہ خدا کے معاملہ میں نہایت آسان کام ہوگا، انھوں نے اس خصوصیت کو اپنی زندگی کی روحِ رواں قرار دیا تھا، اور فرماتے تھے کہ اگر میں سنّت کو زندہ نہ کرسکوں، یا شاہراہِ حق پر نہ چل سکوں تو ایک منٹ بھی زندہ رہنا پسند نہ کروں گا[3]۔

خلفائے راشدین کے دورِ خلافت میں سب سے زیادہ روشن زمانہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا تھا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے سیاسی منزل میں قدم رکھا تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہی کے نقشِ قدم کو چراغِ راہ بنایا، چنانچہ اس کے متعلق سالم بن عبداللہ کو ایک خط لکھا جس کے الفاظ حسبِ ذیل ہیں:۔

وقد رأیت ان اسیر فی الناس	میں چاہتا ہوں کہ رعایا کے معاملہ میں حضرت
بسیرۃ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ان	عمر بن الخطابؓ کی روش اختیار کروں بشرطیکہ
قضی اللہ ذٰلک واستطعت الیہ	یہ خدا کو منظور ہو اور میں اس پر قادر ہوں۔
سبیلا فابعث الی بکتب عمر وقضائہ	آپ میرے پاس حضرت عمرؓ کی تحریریں اور
فی اھل القبلۃ واھل العھد فانی متبع	اُن کے فیصلے جو انھوں نے مسلمانوں اور ذمیوں

[1] طبقات ابن سعد ص ۲۵۳ [2] ایضاً ص ۲۵۲ [3] ایضاً ص ۲۸۲

اثرہ وسائر بسیرتہ انشاء اللہ تعالیٰ[1] — کے متعلق کہتے ہیں بھیج دیجئے، اگر خدا کو منظور ہوگا تو میں ان کے نقش قدم پر چلوں گا۔

اگرچہ اُس روش کے اختیار کرنے کے لئے اُن کا زمانہ اس قدر ناموزوں تھا کہ خود سالم بن عبداللہ نے اُن کو جواب میں لکھا کہ حضرت عمرؓ نے جو کچھ کیا دوسرے زمانے میں اور دوسرے اشخاص کے ذریعہ سے کیا اگر تم نے باوجود اس ظالمانہ آزمائشوں کے اس کے مطابق عمل کیا تو تم خدا کے نزدیک عمرؓ سے افضل ہوگے[2] تاہم حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان مشکلات کی کچھ پروا نہ کی اور اپنا نظام حکومت اِسی بنیاد پر قائم کیا، جس پر عہدِ خلافتِ راشدہ میں قائم ہوچکا تھا، اسی بناء پر بعض محدثین نے اُن کو اسی سلسلہ کی ایک کڑی خیال کیا ہے، چنانچہ امام سفیان ثوری کا قول ہے کہ خلفاء پانچ ہیں، ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ اور عمر بن عبدالعزیزؒ[3]

(۲) اُن کی خلافت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے جمہوریت کی روح کو جو بالکل مردہ ہوگئی تھی، از سرِ نو زندہ کیا، اُن کے اخلاق و عادات میں اگرچہ خلافت کے بعد انقلاب پیدا ہوا تاہم اُن کی طبیعت ابتدا ہی سے جمہوریہ پسند واقع ہوئی تھی، چنانچہ جب وہ ولید کی طرف سے مدینہ کے گورنر مقرر ہو کر آئے تو مدینہ کے فقہاء میں عروہ بن زبیر، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ، ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث، ابوبکر بن سلیمان بن ابی حثمہ، سلیمان بن یسار، قاسم بن محمد، سالم بن عبداللہ، عبداللہ بن عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عامر بن ربیعہ اور خارجہ بن زید بن ثابت کو طلب کیا، اور کہا کہ میں نے آپ لوگوں کو ایک ایسے کام کے لئے طلب کیا ہے جس پر آپ کو ثواب

۱؎ سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۱۲۷ ۲؎ ایضاً ص ۱۳۲ ۳؎ ابوداؤد کتاب السنہ باب فی التفضیل

ملے گا، اور آپ لوگ حق کے معاون قرار پائیں گے، میں آپ لوگوں کی رائے کے بغیر کوئی کام انجام نہیں دینا چاہتا، یہ سُن کر تمام بزرگوں نے اُن کو جزائے خیر کی دُعا دی[1]، خلیفہ ہوئے تو چند منتخب لوگوں کو ندیم خاص مقرر کیا، جو اُن کو تمام مُلکی معاملات میں مشورہ دیتے تھے، طبقات ابن سعد میں ہے:۔

کان العمر بن عبدالعزیز سمار یتظرون فی امور الناس[2] — حضرت عمر بن عبدالعزیز کے چند مصاحب تھے جو رعایا کے معاملات میں غور کیا کرتے تھے۔

(۳) اُن کے دورِ حکومت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اُن کے زمانے میں علماء کا رسوخ و اقتدار بہت زیادہ ترقی کر گیا، وہ ہمیشہ علماء سے مشورہ لیتے تھے، علماء سے صحبت رکھتے تھے اور علماء کو مقرب بارگاہ بناتے تھے، طبقات میں متعدد علماء کے نام لکھے ہیں جو اُن کے خواص میں تھے[3]، عدی بن ارطاۃ کو جو ہمیشہ شرعی امور میں اُن سے مشورہ لیا کرتے تھے، لکھا کہ "گرمی اور سردی میں تم ہمیشہ ایک مسلمان کو تکلیف دیتے ہو کہ مجھ سے سنت کے متعلق استفسار کرے، تم اس طریقے سے میری عظمت کرتے ہو، خدا کی قسم حسن بصری تمھارے لئے کافی ہیں، جب یہ خط پہنچے تو میرے لئے، اپنے لئے اور عام مسلمانوں کیلئے انہی سے استفسار کیا کرو، خداوند تعالیٰ حسن بصری پر رحم کرے کہ وہ اسلام میں ایک بڑے درجہ کے شخص ہیں، اور اُن کو میرا یہ خط پڑھ کر سُنا دو[4]"

۱؎ طبقات ابن سعد ص ۲۴۶ ۲؎ سیرۃ عمر بن عبدالعزیز رحؒ ص ۶۲
۳؎ طبقات ابن سعد ص ۲۹۲ ۴؎ سیرت عمر بن عبدالعزیز رحؒ ص ۱۰۱

عمّال

زمانۂ قدیم کا نظامِ سلطنت اس زمانہ کے نظامِ حکومت سے بالکل مختلف تھا، آج سلاطین کی شخصیتیں بدل جاتی ہیں، نظامِ حکومت اُلٹ پلٹ جاتا ہے شخصیت کی جگہ جمہوریت لے لیتی ہے لیکن سلطنت کے اعضاء و جوارح یعنی عمّال پر اُن کا کوئی اثر نہیں پڑتا، لیکن قدیم زمانہ میں سلاطین کی شخصیت کا تغیر و تبدل گویا نظامِ سلطنت کا انقلابِ کلی تھا، اور یہ انقلاب حضرت عمر بن عبدالعزیز رض کے دورِ خلافت میں سب سے زیادہ نمایاں نظر آتا ہے، انھوں نے تختِ حکومت پر متمکن ہونے کے ساتھ ہی اُن تمام مفسد کی اصلاح کرنی چاہی جن کا مادّہ حضرت امیر معاویہ رض کے زمانہ ہی سے روز بروز پختہ ہوتا جاتا تھا، لیکن اس کے لئے سب سے بڑی ضرورت اُن پرزوں کی تھی جو نہایت نیک نیتی اور خلوص کے ساتھ سلطنت کی کل کو چلائیں اور اُن کے زمانہ میں اس قسم کے اجزاءِ صالحہ تقریباً مفقود ہو چکے تھے، ایاس بن معاویہ رض کا قول ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رض ایک نہایت تیز دست صنّاع تھے، لیکن اُن کے پاس اوزار نہ تھا جس سے وہ کام لیتے[1] خود حضرت عمر بن عبدالعزیز رض کو نظر آتا تھا، کہ اُن کے لئے جس قسم کے اعوان و انصار کی ضرورت ہے، وہ سرکاری دفتروں میں نہیں مِل سکتے، اس لئے وہ اپنی نگاہ کو دُور دُور تک دوڑاتے

[1] تاریخ الخلفاء ص ۲۰۴

تھے، اور جہاں کہیں کوئی مرغ بلند آشیاں نظر آتا تھا، اس کو اس جال میں پھنسانا چاہتے تھے، جس میں خود گرفتار ہو چکے تھے، سلفِ صالحین میں سے ایک بزرگ شام میں عزلت گزیں تھے، حضرت عمر بن عبدالعزیز رض کو معلوم ہوا تو اُن کو لکھا کہ سچے مددگار کہیں نہیں ملتے، آپ میری اعانت فرمائیے، انھوں نے جواب دیا کہ میں گنہگاروں کی اعانت نہیں کر سکتا[1] تاہم عمّال سلطنت کا تقرر ضروری تھا، اس لئے حضرت عمر بن عبدالعزیز رض نے تختِ حکومت پر بیٹھتے کے ساتھ ہی مختلف اشخاص کو ذمہ داری کے مختلف عہدے دیئے، جن کے نام کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

نام	تفصیل
ابوبکر بن محمد بن حزم	سلیمان بن عبدالملک نے اُن کو مدینہ کا گورنر مقرر کیا تھا اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رض نے بھی اُن کو اس عہدے پر قائم رکھا۔
عبدالحمید بن عبدالرحمن بن زید بن خطاب	ان کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا۔
عدی بن ارطاۃ	ان کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا۔
عروہ بن محمد بن عطیہ اسعدی	ان کا یمن کا گورنر مقرر کیا۔
عدی بن عدی الکندی	ان کو جزیرہ کا گورنر مقرر کیا۔
اسمٰعیل بن عبیداللہ بن ابی المہاجر	ان کو افریقہ کا گورنر مقرر کیا
محمد بن سوید الفہری	ان کو دمشق کا گورنر مقرر کیا
جراح بن عبداللہ الحکمی[2]	ان کو خراسان کا گورنر مقرر کیا

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیز رض ص ۱۴۱ [2] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رض ص ۲۵۱

لیکن اُن کے علاوہ اور بہت سے عہدے اور بہت سے اشخاص تھے، جو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے نظامِ سلطنت کے لیے ضروری نہ تھے، مثلاً ان میں بہت سے چوبدار اور پہرہ دار تھے، جن کا وجود سلاطین کی شان و شوکت اور ذاتی مصالح کے لحاظ سے ضروری خیال کیا جاتا تھا، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے زمانے میں ان کی تعداد چھ سو تھی، جن میں تین سو پولیس سے تعلق رکھتے تھے اور تین سو پہرہ دار تھے، لیکن حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کو زہد و تقشف نے اس قسم کی شان و شوکت کے اظہار سے بے نیاز اور توکل علی اللہ نے ہر قسم کے خطرات سے نڈر کر دیا تھا۔ اس لئے انھوں نے ان لوگوں سے صاف صاف کہہ دیا کہ "میں تم سے بے نیاز ہوں تقدیر میری محافظ اور موت میری نگہبان ہے۔" تاہم اُن کو بالکل موقوف کرنا بھی مناسب نہیں سمجھا، اس بنا پر حکم دیا کہ جو شخص رہنا چاہے اس کو دس دینار تنخواہ ملے گی، اور جو شخص قطع تعلق کرنا چاہے وہ قطع تعلق کر سکتا ہے[1]

شخصی حیثیت سے انھوں نے صرف خالد بن ریان کو موقوف کیا، جو جلاد تھا اور خلفاء کے سامنے ہمیشہ تلوار لئے ہوئے کھڑا رہتا تھا، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کو اس کی قساوتِ قلب کا پہلے سے ذاتی تجربہ ہو چکا تھا، اس لئے خلیفہ مقرر ہونے کے بعد خالد حسبِ معمول تلوار لے کر سامنے کھڑا ہوا تو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے کہا کہ خالد یہ تلوار رکھ دے، خداوندا میں تیرے لئے خالد کو پست کرتا ہوں، اس کو تو کبھی بلند نہ کرنا، خالد کی موقوفی کے بعد اس کی جگہ عمر بن مہاجر الانصاری کو مقرر کیا، جو نہایت مذہبی شخص تھا[2] عمال کے عزل و نصب کا دار و مدار جن اصول

[1] سیرت عمر بن عبد العزیزؒ ص ۹۸ [2] سیرت عمر بن عبد العزیزؒ ص ۴۰

پر تھا اُن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:۔

(۱) کوئی شخص جو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا قرابت دار ہو اس کو کبھی عامل مقرر نہیں کرتے تھے، بیٹے سے زیادہ کون عزیز ہو سکتا ہے، لیکن حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ان میں سے کسی کو کوئی عہدہ نہیں دیا، ایک بار تمام بیٹوں کو جمع کر کے پوچھا کیا تمھیں یہ پسند ہے کہ میں تم میں ہر ایک کو ایک ایک صوبہ کا گورنر کر دوں، اور تم چلو تو تمھارے ساتھ ڈاک کا گھنگرو بجتا ہوا چلے، ایک لڑکے نے کہا جو کام آپ کو کرنا نہیں ہے اس کا سوال کیوں کرتے ہو؟ بولے تو دیکھتے ہو کہ میرا یہ فرش پرانا ہو چلا ہے، لیکن میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ تم اس کو اپنے موزوں سے میلا کرو، پھر تم کو اپنا دین کیونکر حوالہ کر دوں کہ ہر صوبہ میں اس کو گرد آلود کرو[1]

ایک بار جراح بن عبد اللہ الحکمی نے عبد اللہ بن اہتم کو عامل مقرر کیا، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کو خبر ہوئی تو لکھا کہ اس کو موقوف کر دو، کیونکہ اور باتوں کے علاوہ وہ خود امیر المؤمنین کا رشتہ دار ہے[2]

(۲) جو لوگ کسی عہدہ کے خواستگار ہوتے تھے اُن کو وہ عہدے نہیں دیتے تھے، اور جناب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی یہی تھی۔

ایک بار دو بھائی یعنی بلال بن ابی بردہ اور عبد اللہ بن ابی بردہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور دونوں نے اپنی مسجد میں اذان دینے کے متعلق مقدمہ دائر

[1] سیرت عمر بن عبد العزیزؒ ص ۴۳ تاریخ الخلفاء میں ہے کہ یہ سوال انھوں نے خاندان بنو امیہ کے چند افراد سے کیا تھا، ممکن ہے کہ لڑکے بھی اس میں شامل ہوں [2] سیرت عمر بن عبد العزیزؒ ص ۸۶

کیا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو ان کی نسبت بدگمانی پیدا ہوئی، اور ایک شخص کو خفیہ طور پر مقرر کیا کہ اُن سے جا کر کہے کہ اگر میں امیرالمومنین سے کہہ کر تم دونوں کو عراق کی گورنری دلا دُوں تو مجھے کیا دوگے؟ اس نے بلال سے جا کر پوچھا تو اُس نے ایک لاکھ دینے کا وعدہ کیا، آدمی نے آکر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو خبر کی تو عبدالحمید بن عبدالرحمٰن گورنر عراق کو لکھ بھیجا کہ نہ بلال یعنی بُرے بلال کو کوئی عہدہ دو نہ آلِ موسیٰ کو[1]

(۳) جو لوگ سفاک اور ظالم ہوتے تھے ان کو بھی کوئی عہدہ نہیں دیتے تھے ایک بار جراح بن عبداللہ الحکمی نے عمارہ کو عامل مقرر کیا، تو انھوں نے لکھا کہ مجھ کو نہ عمارہ کی ضرورت ہے، نہ عمارہ کی مارپیٹ کی، نہ اُس شخص کی جس نے اپنے ہاتھ کو مسلمانوں کے خون سے رنگین کیا ہے، اس لئے اس کو معزول کر دو[2]

خود جراح اور یزید بن مہلب کی معزولی کا سبب بھی یہی ظلم و عدوان تھا یہی وجہ ہے کہ حجاج کے ملازموں اور اس کے قبیلہ کے لوگوں کو کوئی جگہ نہیں دیتے تھے۔

ابومسلم جو حجاج کا جلاد اور ہم قبیلہ تھا، ایک فوج میں شریک ہوا تو انھوں نے اس کو واپس بلا لیا، اسی طرح ایک اور شخص کو کوئی عہدہ دیا لیکن بعد کو معلوم ہوا کہ وہ حجاج کا عامل رہ چکا ہے، تو اس کو موقوف کر دیا، اس نے معذرت کی کہ میں نے حجاج کی ماتحتی میں بہت کم کام کیا ہے، بولے بُری صحبت ایک دن کی بھی بہت ہوتی ہے[3]

(۴) عمال کے تقرر میں صرف یہ لحاظ رکھتے تھے، کہ قرآن و حدیث کا عالم ہو چنانچہ اس

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۲۷۲ [2] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۸۶ [3] ایضاً ص ۸۹

وصف کو پیش نظر رکھ کر انھوں نے تمام عمال کے نام ایک عام فرمان بھیجا کہ اہل قرآن کے سوا اور کوئی شخص کسی عہدے پر مامور نہ کیا جائے لیکن تمام عمال کی طرف سے جواب آیا کہ ہم نے اہلِ قرآن سے کام لیا، مگر وہ خائن نکلے لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو اب بھی اس پر اصرار رہا، اور لکھا کہ خبردار مجھے یہ نہ معلوم ہونے پائے کہ تم نے اہلِ قرآن کے سوا اور کسی کو عامل بنایا، اگر اہلِ قرآن میں بھلائی نہیں ہے تو دوسروں میں تو اور نہ ہوگی[1]

(۵) لیکن اُن کے علاوہ جس شخص میں مذہبی اور اخلاقی حیثیت سے کوئی خوبی پاتے تھے، اس کو حکومت کی کل میں لگانا چاہتے تھے۔

اُن کے زمانہ خلافت سے پہلے سلیمان بن عبدالملک کے پاس اہلِ مصر کا ایک وفد آیا تھا جس میں ایک شخص ابن غذامر نامی بھی شریک تھا، سلیمان نے اُن لوگوں سے اہلِ مغرب کے بعض حالات پوچھے، اور ابن غذامر کے سوا سب نے وہاں کے حالات بیان کئے، وفد رخصت ہوا تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے غذامر سے خاموشی کی وجہ پوچھی، اس نے کہا کہ جھوٹ بولتے ہوئے مجھے خدا کا خوف معلوم ہوتا ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس واقعہ کو یاد رکھا، یہاں تک کہ جب خلیفہ ہوئے تو اس کو مصر کا قاضی مقرر کیا[1]

وہ تمام اخلاقی اوصاف میں سب سے زیادہ دیانت کا لحاظ رکھتے تھے، چنانچہ ایک بار عدی بن ارطاۃ کو لکھا کہ فوج کے عرفا کی جانچ پڑتال کرو جو شخص امین ہو اس کو رکھو، اور جس کی امانت پر تم کو اعتماد نہ ہو اس کی جگہ دوسرے شخص کو مقرر کرو لیکن

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۱۰۰ [2] کتاب الولاۃ مصر ص ۳۳۸

امانت اور پرہیزگاری پر سب سے زیادہ نظر رہے[1] قضاءت کے لئے اور شرائط لگائے تھے، فرماتے تھے کہ قاضی میں پانچ خوبیاں ہونی چاہئیں، سنتِ نبویہ کا عالم ہو، حلیم ہو، جلد باز نہ ہو، پاک دامن ہو اور مشورہ لینے والا نہ ہو[2]

(۶) حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ اگرچہ خود اس قدر متقشف تھے کہ روزانہ دو درہم اُن کے لئے کافی ہوتے تھے، لیکن عمال کی تنخواہیں نہایت فیاضی کے ساتھ مقرر کی تھیں، چنانچہ ایک بار کسی نے معترضانہ لہجہ میں اُن سے کہا کہ آپ عمال کو سو سو اشرفیاں، دو دو سو اشرفیاں بلکہ اس سے بھی زیادہ تنخواہ کس بنا پر دیتے ہیں بولے کہ اگر وہ کتاب و سنت پر عمل کریں تو یہ بہت کم ہے، میں چاہتا ہوں کہ اُن کو معاش اور اہل و عیال کے جھگڑوں سے فارغ کردوں[3]۔

(۷) اگرچہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کی شخصیتِ صالحہ نے جیسا کہ میمون بن مہران نے اُن کو یقین دلایا تھا[4] اُن کے تختِ حکومت کے گرد بہترین اشخاص جمع کر دیئے تھے، لیکن یہ تمام شخصیتیں حضرت عمر بن عبدالعزیز رضؓ ہی کا وجود ظلی تھیں، اور انہی کے اشاروں سے یہ تمام پُرزے حرکت کرتے تھے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کا قاعدہ تھا کہ بات بات پر عمال کو ہدایتیں کرتے رہتے تھے، احکام بھیجتے رہتے تھے، ان کو کام کرنے کی ترغیب و ترہیب دیتے

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن عبدالعزیز رضؓ ص ۲۹۳ [2] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۲۲۸
[3] ایضاً ص ۱۶۴ [4] حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کو جب قابل اعتماد اعوان و انصار کی جستجو ہوئی تو میمون بن مہران نے کہا کہ آپ اس کی فکر نہ کریں، آپ ایک بازار ہیں اور بازار میں وہی مال آتا ہے جو چلتا ہو اس لئے جب لوگوں کو معلوم ہوگا کہ آپ کے یہاں صرف کھرا مال چلتا ہے تو سب کے سب کھرا مال لے کر آئیں گے۔ (طبقات ابن سعد ص ۲۹)

رہتے تھے، اس لئے طبائع پر خواہ مخواہ ان کا اخلاقی اثر پڑتا تھا، ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم دن کی طرح رات کو بھی کام کرتے تھے، اور یہ صرف حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کی ترغیب و تحریص کا اثر تھا[1]

ایک بار ایک عامل نے اُن کی خدمت میں کوئی شکایت کی، انھوں نے اس کو ایک ایسا مؤثر خط لکھا کہ وہ اپنے عہدے کو چھوڑ کر اُن کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ آپ کا خط پڑھ کر دل کانپنے لگا، اب اپنی خدمت پر کبھی نہ جاؤں گا[2]

محدث ابن جوزی نے اُن تمام احکام و فرامین کو ایک مستقل باب میں جمع کر دیا ہے، جن میں اگرچہ نہایت جزئی جزئی ہدایتیں شامل ہیں، لیکن اہم امور حسب ذیل ہیں:۔

(۱) احیائے سنت، امحائے بدعت اور تقسیم وظائف کی طرف ان کی اس قدر توجہ تھی کہ ایک شخص کا بیان ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کا جو خط آتا تھا اس میں ان تینوں میں سے کسی نہ کسی چیز کی ہدایت ضرور درج ہوتی تھی[3]

(۲) عمال کو سخت تاکید تھی کہ حجاج کی روش اختیار نہ کریں، ایک بار عدی بن ارطاۃ کو لکھا کہ میں تمہیں حجاج کی روش سے روکتا ہوں، کیونکہ حجاج ایک مصیبت تھا، ایک قوم نے اپنے عمل سے اس کی غلط کاریوں کی موافقت کی، اس لئے اپنے زمانے میں اُس نے جو چاہا کیا، لیکن اب وہ زمانہ گذر گیا، اور خدا کی سلامتی پھر واپس آگئی، اگر صرف ایک ہی دن رہے تب بھی یہ خدا کا عطیہ ہوگا، میں نے نماز کے متعلق اس

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضؓ ص ۲۵۶
[2] سیرت عمر بن عبدالعزیز رضؓ ص ۱۰۰ [3] ایضاً ص ۸۱

کی تقلید سے روکا ہے، کیوں کہ وہ وقت میں تاخیر کرتا تھا، میں نے زکوٰۃ کے متعلق اس کی تقلید سے روکا ہے، کیونکہ وہ بے محل لیتا تھا، اور بے محل صرف کرتا تھا۔

ایک اور عامل نے ذمیوں کے کھلیانوں کی حدبندی کی تو اس کو لکھا کہ ایسا نہ کرو، یہ حجاج کا طریقہ تھا، اور میں اس کو پسند نہیں کرتا[1]

(۳) تمام عمال کو عدل و انصاف کا سخت تاکیدی حکم تھا، ایک عامل نے لکھا کہ ہمارا شہر ویران ہو گیا ہے۔ کچھ مال مرحمت فرمائیے کہ اس کی مرمت کریں اس کے جواب میں لکھا کہ اس کو عدل سے قلعہ بند کرو، ظلم سے اس کے راستوں کو صاف کرو، یہی اس کی مرمت ہے[2]

ایک عامل کو لکھا کہ مسلمانوں کے خون سے اپنا ہاتھ خشک، اُن کے مال سے اپنا پیٹ خالی، اور اُن کی عزت سے اپنی زبان کو محفوظ رکھو، اگر تم نے ایسا کر لیا تو تم پر کوئی اعتراض نہیں، اعتراض اُن لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں[3]

ایک عامل کو لکھا کہ تم سے پہلے لوگوں نے جس قدر ظلم کیا ہے اگر تم اتنا انصاف احسان اور اصلاح کر سکو تو کر دو[4]

(۴) لیکن اُن کو صرف اِن ہدایات ہی پر قناعت نہ تھی، بلکہ مناسب طریقوں سے وہ عمّال کے طرزِ عمل کی تحقیقات بھی کرتے رہتے تھے، کہ جادۂ اعتدال سے ہٹنے نہ پائیں۔

رباح بن عبیدہ کا بیان ہے کہ میں نے ایک بار اُن سے کہا کہ عراق میں میری جائداد اور میرے اہل و عیال ہیں، اگر اجازت ہو تو میں اُن کو دیکھ آؤں؟ اُنھوں

[1] سیرت عمر بن عبد العزیز رحمہ ص ۸۰ [2] ایضاً ص ۹۰ [3] ایضاً ص ۵۷ [4] طبقات ص ۲۸۳

نے اصرار کے بعد اجازت دی، جب میں رخصت ہونے لگا تو میں نے کہا کہ اگر آپ کی کوئی ضرورت ہو تو ارشاد فرمائیے، بولے میری ضرورت صرف یہ ہے کہ اہلِ عراق اور اُن کے ساتھ حکّام و عمّال کے طرزِ عمل کے متعلق حالات دریافت کر دیں نے لوگوں سے اس کے متعلق سوال کیا تو سب کو عمّال کا مدّاح پایا واپس آ کر حضرت عمر بن عبد العزیز رضؓ کو اس کی اطلاع دی، تو اُنھوں نے خدا کا شکر ادا کیا اور کہا کہ "اگر تم نے اس کے خلاف خبر دی ہوتی تو میں اُن کو معزول کر دیتا[1]"

لیکن باوجود اس دارو گیر کے وہ عمّال کو عملاً کسی قسم کی سزا دینا پسند نہیں کرتے تھے، چنانچہ ایک بار اُن سے اس کے متعلق استمزاج کیا گیا تو بولے کہ یہ مجھے پسند ہے کہ عمّال خدا کے پاس اپنی اپنی خیانتیں لے کے جائیں، لیکن مجھے یہ گوارا نہیں کہ میں خدا کے پاس اُن کے خون کا بوجھ اپنی گردن پر لے کے جاؤں[2]

[1] کتاب الخروج ص ۶۰ [2] طبقات ابن سعد ص ۲۷۷۔

ذمیوں کے حقوق

ذمیوں کے حقوق کی نگہداشت حسبِ ذیل طریقوں سے ہو سکتی ہے۔

(۱) اُن کی جان و مال کی حفاظت کی جائے، اور اسی طرح کی جائے جس طرح مسلمانوں کی کی جا سکتی ہے۔

(۲) اُن کی مذہبی عمارتیں محفوظ کی جائیں، اور اُن کے مذہب میں کسی قسم کی دست اندازی نہ کی جائے۔

(۳) جزیہ کی وصولی میں کسی قسم کا ظلم نہ کیا جائے، بلکہ ہر قسم کی رعایتیں کی جائیں۔

(۴) عام حقوق میں اُن پر مسلمانوں کو کسی قسم کا تفوق و امتیاز حاصل نہ ہو بلکہ وہ مسلمانوں کے مساوی قرار دیئے جائیں۔

اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضؓ نے جس طرح ان تمام چیزوں کی نگہداشت کی اس کی نظیر خلافتِ راشدہ کے سوا اور خلفاء کے دور میں بہ مشکل مل سکتی ہے انھوں نے ذمیوں کی جائداد کی حفاظت میں خاندانی تعلقات کی بھی پروا نہیں کی، چنانچہ جب انھوں نے اموالِ مغصوبہ کو واپس کرنا شروع کیا تو حمص کے ایک بوڑھے ذمی نے کھڑا ہو کر کہا کہ اے امیر المؤمنین، عباس بن ولید بن عبدالملک نے میری

زمین پر غاصبانہ قبضہ کر لیا ہے، عباس بھی وہیں موجود تھا، حضرت عمر بن عبدالعزیز رضؓ نے کہا کہ "تم کیا جواب دیتے ہو؟" اس نے کہا کہ اس کو ولید نے مجھے جاگیر میں دیا ہے، اور میرے پاس اس کی سند بھی ہے۔" اب ذمی کی طرف مخاطب ہوئے، اس نے کہا "میں آپ سے کتاب اللہ کے موافق فیصلہ چاہتا ہوں" بولے، خدا کی کتاب ولید کی سند پر مقدم ہے، عباس تم اس کی زمین چھوڑ دو[۱]"

اُن کے عہد میں ذمیوں کی تمام چیزیں اس قدر محفوظ تھیں کہ اُن سے ذرہ برابر بھی تعرض نہیں کیا جا سکتا تھا، چنانچہ ایک بار ربیعہ شوذمی نے ایک نبطی کا گھوڑا بے گار میں پکڑ لیا، اور اس پر سواری کی، تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رضؓ نے اس کو ۴۰ کوڑے لگوائے[۲]

ایک بار اُن کے عامل کو لکڑی کی ضرورت پڑی، جو کسی ذمی کے یہاں تھی۔ اُس نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضؓ سے استصواب کیا، تو انھوں نے لکھا کہ پوری قیمت لے لو[۳]

جان جائداد سے بھی زیادہ عزیز ہے، اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضؓ نے ذمیوں کی جان کو مسلمانوں کی جان کے برابر سمجھا، ایک بار کسی مسلمان نے حیرہ کے کسی ذمی کو قتل کر ڈالا، حضرت عمر بن عبدالعزیز رضؓ نے وہاں کے گورنر کو لکھا کہ قاتل کو مقتول کے وارث کے حوالے کر دو، چاہے وہ قتل کرے چاہے وہ معاف کر دے، چنانچہ اس نے قاتل کو اس کے حوالے کر دیا اور اُس نے اس کو قتل کر دیا[۴]

---

[۱] سیرت عمر بن عبدالعزیز رضؓ ۱۰۴ و ۱۰۵ [۲] ابن سعد تذکرہ عمر بن عبدالعزیز رضؓ ص ۲۷۶
[۳] مقریزی، جلد ۱ ص ۲۹۵ [۴] نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ ص ۲۶۰

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ سے پہلے ذمیوں کے بعض مذہبی حقوق پامال کردیئے
گئے تھے، اس بنا پر انھوں نے صرف ان حقوق کی حفاظت ہی نہیں کی بلکہ ان کو
نئے سرے سے قائم کیے، دمشق میں عیسائیوں کا ایک گرجا تھا، جو خاندانِ بنو نصر
کی جاگیر میں آگیا تھا، عیسائیوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ کی خدمت میں اس
کا دعوٰی کیا، اور انھوں نے اس کو واپس دلا دیا۔

ایک اور مسلمان نے ایک گرجے کی نسبت دعوٰی کیا کہ وہ اس کی جاگیر میں ہے
لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ نے کہا کہ اگر یہ عیسائیوں کے معاہدے میں داخل
ہے تو تم اس کو نہیں پا سکتے [1]

دمشق میں عیسائیوں کا سب سے بڑا کنیسہ یوحنا تھا حضرت امیر معاویہ رضہ اور عبدالملک
بن مروان نے اس کو بیش قرار قیمت پر لے کر مسجد میں شامل کرنا چاہا، لیکن عیسائی
راضی نہیں ہوئے۔ ولید نے بھی یہ کوشش کی لیکن ناکام رہا، بالآخر اس نے
جبراً گرجے کو منہدم کرا کے مسجد میں شامل کر لیا حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ کا دورِ
خلافت آیا تو عیسائیوں نے اس کی واپسی کی درخواست کی، اور انھوں نے
اس کو واپس کر دیا، لیکن تمام مسلمانوں کو اس کا سخت رنج ہوا، اور انھوں نے
اس [illegible] میں غوطے کے تمام گرجے اُن کے حوالے کئے، اور ان کو اس مطالبہ

...نیف اور وصولی میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ نے ہمیشہ ذمیوں
...نرمی کا برتاؤ کیا، عراق میں جب ابن الاشعث نے حجاج سے

[1] ...ص ۱۳۰ [2] ایضاً ص ۱۳۲

بغاوت کی، تو اس نے وہاں کے زمینداروں پر اس کی اعانت کا الزام قائم کیا اور
اُن کے خراج و جزیہ کو بہت زیادہ سخت کر دیا، وہ پہلے اپنے جزیہ میں مصالحۃً
سالانہ کپڑے دیا کرتے تھے، اس کے بعد جب اُن کی تعداد میں کمی واقع ہونا شروع
ہوئی تو حضرت عثمان رضہ اور حضرت امیر معاویہ رضہ نے کپڑوں کی تعداد میں کمی کر دی
لیکن حجاج نے اس جرم میں اس میں غیر معمولی اضافہ کر دیا، یعنی سالانہ آٹھ
سو رنگین کپڑے اُن پر لازم کر دیئے، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ کے دورِ خلافت
میں ان لوگوں نے اپنے مصائب کا اظہار کیا تو انھوں نے گھٹا کر دو سو کپڑے
کر دیئے، جن کی قیمت آٹھ ہزار درہم تھی [1]

برابرہ کے ممالک میں ایک گاؤں جس کا نام کوآنہ تھا، وہاں کے باشندوں
نے حضرت عمرو بن العاص رضہ نے مصالحت نامہ میں یہ شرط کر لی تھی کہ عورتوں اور
بچوں کو فروخت کر کے انھیں جزیہ ادا کرنا پڑے گا، لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ
نے عام حکم دے دیا کہ جس کے پاس وہاں کی عورتیں ہوں، وہ یا اُن کے باپوں
سے نکاح کی درخواست کرے، یا اُن کو واپس کر دے [2]

ذمیوں کے ساتھ جزیہ وغیرہ کی وصولی میں وہ جس قدر نرمی سے کام لیتے تھے
اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اُن سے ایک شخص نے پوچھا کہ اے امیر المؤمنین
یہ کیا بات ہے کہ آپ کے زمانے میں بازار کا نرخ نہایت گران ہے، اور دوسرے
خلفاء کے زمانے میں بازار کا نرخ ارزاں تھا، بولے، کہ وہ لوگ ذمیوں کو ناقابلِ

[1] فتوح البلدان ص ۲۴
[2] فتوح البلدان ص ۲۲۳

برداشت تکلیفیں دیتے تھے، اس لئے جس نرخ پر ہو سکتا تھا وہ اپنے غلہ کو فروخت کر ڈالتے تھے، اور میں ہر شخص کو اسی قدر تکلیف دیتا ہوں، جس کا وہ متحمل ہو سکے، اس لئے ہر شخص جس طرح چاہتا ہے فروخت کرتا ہے [1]"۔

عمال کو حکم بھیجتے رہتے تھے کہ ذمیوں کے ساتھ ہر قسم کی اخلاقی رعایتیں کی جائیں، چنانچہ ایک بار عدی بن ارطاۃ کو لکھا کہ ذمیوں کے ساتھ نرمی کرو اور اگر ان میں کوئی شخص بوڑھا ہو جائے اور وہ نادار ہو تو اس کے مصارف کے متکفل ہو، اور اگر اس کا کوئی رشتہ دار ہو تو اس کو حکم دو کہ وہ اس کے مصارف برداشت کرے، جس طرح تمہارا کوئی غلام بوڑھا ہو جائے تو اس کو آزاد کرنا پڑے گا، یا تا دم مرگ اس کو کھلانا پڑے گا [2]۔

عام حقوق میں انھوں نے ذمیوں اور مسلمانوں کو ہمیشہ ایک صف میں کھڑا کیا۔

ایک بار مسلمہ بن عبدالملک اور دیر اسحٰق کے چند ذمی ان کے دربار میں فریق مقدمہ کی حیثیت سے آئے، تو مسلمہ آکر فرش پر بیٹھ گئے اور ذمی بیچارے کھڑے رہے، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحؒ نے دیکھا تو بولے کہ ایسا نہیں ہو سکتا، اگر تمھیں اپنے فریق کے برابر کھڑا ہونا گوارا نہیں ہے تو کسی کو وکیل کر دو، مسلمہ نے ایک شخص کو وکیل کر دیا، اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے

---

[1] کتاب الخراج ص ۷۶

[2] طبقات ابن سعد ص ۲۸۰

مقدمہ کو ان کے خلاف فیصل کیا [1]۔

اسی طرح جب ہشام بن عبدالملک پر ایک عیسائی نے مقدمہ دائر کیا تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحؒ نے اس کو اپنے فریق کے برابر کھڑا کیا، ہشام نے عیسائی کے ساتھ سخت کلامی شروع کی تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ڈانٹا اور سزا دینے کی دھمکی دی [2]۔

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیز رحؒ ص ۴۷۔ اصل کتاب میں یہ تصریح نہیں کہ یہ لوگ ذمی تھے لیکن ہم نے دیر اسحٰق کی مناسبت سے ان لوگوں کو ذمی قرار دیا ہے۔

[2] رسائل شبلی بحوالۃ العیون والحدائق ص ۶۰
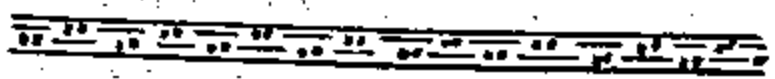
اقامتِ عدل

کسی واقعہ کی شہرت کا سب سے بڑا معیار یہ ہے کہ اس کے متعلق مبالغہ آمیز روایتیں پیدا ہو جائیں، اور حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے عدل و انصاف کے واقعات اس معیار پر ٹھیک اترتے ہیں، شعراء جب مبالغہ آمیز طور پر کسی بادشاہ کے عدل و انصاف کا ذکر کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اس زمانے میں بھیڑیا اور بکری ایک ساتھ پانی پیتے ہیں، اس سے بڑھ کر یہ کہ "بھیڑیا بکری کی چوپانی کرتا ہے" لیکن حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے زمانے میں اس مبالغہ نے واقعہ کی صورت اختیار کر لی، اور اس کے متعلق بہت سی موضوع روایتیں پیدا ہو گئیں، چنانچہ موسیٰ بن اعین سے روایت ہے کہ ہم لوگ حضرت عمر رحمہ اللہ بن عبد العزیز کی خلافت کے زمانہ میں بکریاں چراتے تھے، تو بھیڑیے بھی ان کے ساتھ ساتھ چرتے تھے، لیکن ایک رات ایک بھیڑیے نے ایک بکری پر حملہ کیا تو میں نے کہا کہ وہ نیک مرد ضرور مرگیا، چنانچہ واقعی انھوں نے اسی شب کو انتقال کیا۔[1]

---

[1] سیرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ ص ۷۰

اب ہم کو تاریخی واقعات کی زبان سے یہ بتانا چاہیئے کہ اس مبالغہ میں سچ کس قدر شامل ہے؟

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے عہدِ خلافت سے پہلے۔

(۱) رعایا کے مال و جائداد پر غاصبانہ قبضہ کر لیا گیا تھا۔

(۲) قبلہ گاہِ عالم یعنی بنو ہاشم کے تمام حقوق پامال کر دیئے گئے تھے۔

(۳) نہایت سفاک اور خوں ریز عمال مقرر کئے گئے تھے۔

(۴) محض ظن و تخمین کی بناء پر رعایا کو سزائیں دی جاتی تھیں، اور عورتوں کو مردوں کے بدلے میں گرفتار کیا جاتا تھا۔

(۵) رعایا سے بغیر مزد و اُجرت بیگار کی خدمت لی جاتی تھی۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے تختِ سلطنت پر بیٹھنے کے ساتھ ہی ان تمام مظالم کی طرف توجہ کی، اور عدل و انصاف کا منارہ بلند کیا، مؤرخ یعقوبی لکھتا ہے:

نکث عمر اعمال اهل بیته و سماها مظالم و کتب الی عماله جمیعا اما بعد فان الناس قد اصابهم بلاء و شدة وجور فی احکام الله و سنن سیئة سنها علیهم عمال السوء قلما قصدوا اقصد الحق والرفق والاحسان[1]

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے اپنے خاندان کا نظام عمل اُلٹ دیا اور اس کا نام مظالم رکھا، اور اپنے تمام عمال کو لکھا کہ لوگ احکام الٰہی میں ان بدترین عہدہ داروں کی وجہ سے جنھوں نے بہت کم انصاف، نرمی اور احسان کا ارادہ کیا۔ مصیبت سختی اور ظلم میں مبتلا ہو گئے اور انھوں نے برے دستور قائم کئے۔

---

[1] یعقوبی ج ۲ ص ۳۶۶

چنانچہ سب سے پہلے انھوں نے رعایا کے حقوق کی طرف توجہ کی اور اموالِ مغصوبہ کو واپس کیا، جس کی تفصیل ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔

خاندانِ نبوّت کے حقوق کی پامالی کا آغاز حضرت امیر معاویہؓ ہی کے زمانہ میں ہو چکا تھا، چنانچہ فدک جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خالصہ تھا اور جس سے آپؐ بنو ہاشم کی اعانت کرتے تھے، اُس کو انھوں نے مروان کی جاگیر میں دے دیا تھا[1] خمس جو خالص بنو ہاشم کا حق تھا اس کو بھی انھوں نے روک دیا تھا، لیکن حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ولید اور سلیمان بن عبد الملک کو اپنی خلافت سے پہلے اس طرف توجہ بھی دلائی، لیکن دونوں نے انکار کیا، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا دورِ خلافت آیا تو انھوں نے اپنے قدیم مشورہ پر عمل کیا، فدک کا نصف حصّہ اگرچہ وراثۃً خود ان کی ملک میں آگیا تھا، لیکن ابوبکر بن حزم کو لکھا کہ تحقیقات کے بعد معلوم ہوا کہ یہ میرے لئے جائز نہیں ہے، میری رائے ہے کہ عہدِ نبوت عہدِ ابو بکرؓ، عہدِ عمرؓ اور عہدِ عثمانؓ میں اس کی جو حالت تھی، اُس پر اس کو واپس لاؤں، اور بعد کو جو کچھ ہوا ہو اُس کو چھوڑ دوں، خمس کے متعلق بھی تحقیقات کی، اور پانچ ہزار دینا ابوبکر بن حزم کے پاس بھیجے، اور لکھا کہ اس میں پانچ ہزار اور ملا کر بنو ہاشم کے مرد عورت، چھوٹے بڑے سب کو برابر برابر دے دو، اگرچہ زید بن حسن سخت برہم ہوئے کہ ہم کو لونڈوں کے برابر کیا جاتا ہے۔ لیکن حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اس کی کچھ پروا نہ کی۔

عبد اللہ بن محمد بن عقیل سے ایک روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ

[1] یعقوبی جلد ۲ ص ۳۶۶

نے پہلا مال جو ہم اہلِ بیت میں تقسیم کیا، اس میں مرد، عورت اور بچے سب کے سب برابر کے شریک تھے، اور ہر ایک کو تین تین ہزار اشرفیاں ملیں، انھوں نے اس کے ساتھ یہ بھی لکھا کہ اگر میں زندہ رہا تو تمہارے تمام حقوق تم کو دوں گا۔

خاندانِ نبوت پر اس کا نہایت عمدہ اثر ہوا، اور وہ اُن کے پرجوش حامی بن گئے چنانچہ ایک بار علی بن عبد اللہ بن عباسؓ اور ابو جعفر بن علیؒ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص آیا، اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی غیبت شروع کی، اُن لوگوں نے اس کو منع کیا، اور کہا کہ امیر معاویہؓ کے زمانہ سے آج تک ہم کو خمس نہیں ملا تھا، لیکن عمر بن عبد العزیزؒ نے بنی عبد المطلب پر اس کو تقسیم کیا۔

حضرت فاطمہ بنت حسینؓ نے ان کو نہایت شکر گذاری کے ساتھ ایک خط میں لکھا کہ امیر المؤمنین نے آئمہ راشدین مہدیین کی سُنّت کے اتباع میں ہم کو جو مال بھیجا وہ پہنچا اور ہم پر تقسیم ہوا، خداوند تعالےٰ آپ کو جزائے خیر دے، ہم پر ظلم کیا گیا تھا اور ضرورت تھی کہ ہمارے ساتھ انصاف کیا جائے۔ اے امیر المؤمنین! میں خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں جس کے پاس خادم نہ تھا اُس کو خادم مل گیا، جس کے پاس کپڑا نہ تھا اُس کو کپڑا مل گیا، اور جس کے پاس خرچ نہیں تھا اُس کو خرچ مل گیا۔

قاصد یہ خط لے کر اُن کے پاس آیا، تو نہایت مسرور ہوئے، خدا کا شکر ادا کیا اور اس کو دس اشرفیاں دیں، اور فاطمہؓ کی خدمت میں پانچسو اشرفیاں اور بھیجیں اور لکھا کہ اس کو اپنی ضروریات میں صرف کیجئے[1]

[1] تمام تفصیلات طبقات ابن سعد ص ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹

عمّال میں حجاج بن یوسف، ولید کے زمانے میں زیادہ مقبولِ بارگاہ تھا لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز رح اس کو بدترین خلائق سمجھتے تھے، اور فرماتے تھے کہ اگر قیامت کے دن دنیا کی تمام قومیں خباثت میں مقابلہ کریں، اور ہر قوم اپنے اپنے خبیث کو مقابلہ میں لائے تو ہم حجاج کو پیش کر کے تمام دنیا پر غالب ہو جائیں گے۔[1]

اگرچہ یہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رح کی خوش قسمتی تھی کہ سلیمان بن عبدالملک نے حجاج کے تمام مقرر کردہ عمال کو معزول کر کے[2] اس کے جبارانہ اقتدار کو بہت کچھ مٹا دیا تھا، تاہم اب تک اس کے ظلم و ستم کی جو یادگاریں باقی تھیں، حضرت عمر بن عبدالعزیز رح نے ان کا بھی خاتمہ کر دیا، حجاج کے تمام خاندان کو یمن کی طرف جلاوطن کر دیا اور وہاں کے عامل کو لکھا کہ میں تمہارے پاس آلِ ابوعقیل کو بھیجتا ہوں، عرب میں یہ بدترین خاندان ہے، ان کو اپنی حکومت میں ادھر ادھر منتشر کر دو۔[3] جو لوگ حجاج کے ہم قبیلہ تھے یا ان کی ماتحتی میں کام کر چکے تھے، ان کو ہر قسم کی ملکی خدمات سے محروم کر دیا چنانچہ اس کی تفصیل اوپر گذر چکی۔

سیاست کا تمام تر دار و مدار سوءِ ظن پر ہے، اس لئے ظلم پیشہ سلطنتیں ہمیشہ ذرا ذرا سی بدگمانی پر رعایا کو سزائیں دیتی ہیں، جو سب سے بڑا ظلم ہے خلفائے بنو امیہ میں مؤرخ یعقوبی کے بیان کے مطابق ولید نے اس کی ابتداء کی، اور محض ظن و تخمین کی بناء پر مجرموں کو قتل کی سزائیں دیں[4]، لیکن مؤرخ طبری نے اولیت کا شرف زیاد کو بخشا ہے، بہرحال حضرت عمر بن عبدالعزیز رح کے زمانۂ خلافت سے پہلے اس ظلم کی

---

۱ سیرت عمر بن عبدالعزیز رح ص ۸۹ ۲ تاریخ الخلفاء ص ۲۲۶ ۳ سیرت عمر بن عبدالعزیز رح ص ۹۰ ۴ یعقوبی جلد ۲ ص ۳۴۸

ابتداء ہو چکی تھی، اور سینکڑوں آدمی اپنے وہمی جرائم کی پاداش میں تہ تیغ ہو چکے تھے، لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز رح نے اس طریقہ کو بالکل ناجائز اور خلافِ سنت قرار دیا، چنانچہ اس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔

بیگاری کا انسداد بیگاری کا جو طریقہ جاری تھا نہایت سختی کے ساتھ اس کا انسداد کیا، ایک افسر ان کی خدمت میں بے گاری کی سواری میں آیا تو بولے کہ میری حکومت میں تم لوگ بے گاری پکڑتے ہو؟ اس کے بعد اس کو چالیس کوڑے لگوائے۔[1]

---

۱ طبقات ابن سعد ص ۲۷۶

رعایا کی خوشحالی

مذہب، حکومت، اخلاق، قانون، غرض تمام اجتماعی چیزوں کا آخری نتیجہ صرف یہ ہے کہ دنیا فارغ البالی کے ساتھ زندگی بسر کرے، اور اس نتیجہ کے لحاظ سے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا دورِ حکومت دُنیا کے کل بادشاہوں سے زیادہ کامیاب رہا۔

جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے عدی بن حاتمؓ سے ایک پیشین گوئی کی تھی جس کے الفاظ یہ ہیں:

یا عدی ھل رأیت الحیرۃ قلت لم ارھا وقد انبئت عنہا قال فان طالت بک حیاۃ لترین الظعینۃ ترتحل من الحیرۃ حتی تطوف بالکعبۃ لا تخاف احدًا الا اللہ۔

کیا عدی تم نے حیرہ کو دیکھا ہے میں نے کہا دیکھا نہیں سُنا ہے، فرمایا تو اگر کچھ دنوں اور زندہ رہے تو دیکھو گے کہ ایک ہودج نشین عورت حیرہ سے سفر کرکے آئے گی اور خانہ کعبہ کا طواف کرے گی، اور خدا کے سوا اس کو کسی کا ڈر نہ ہوگا۔

ولئن طالت بک حیاۃ لتفتحن کنوز کسریٰ۔

اگر تم کچھ دنوں زندہ رہو گے تو دیکھو گے کہ کسریٰ کے خزانے مفتوح ہوگئے۔

ولئن طالت بک حیاۃ لترین الرجل تخرج ملء کفہ من ذھب او فضۃ یطلب من یقبلہ منہ فلا یجد احدا یقبلہ منہ

اگر تم کچھ دنوں زندہ رہے تو دیکھو گے کہ ایک شخص مٹھی بھر سونا یا چاندی لے کر اس شخص کی تلاش میں نکلے گا جو اس کو قبول کرے لیکن اس کا قبول کرنے والا کوئی نہ ملے گا۔

عدی بن حاتمؓ کی زندگی میں ہی اوپر کی دو پیشینگوئیاں پوری ہوچکیں لیکن تیسری پیشین گوئی اُن کے سامنے پوری نہیں ہوئی اور انھوں نے اس کی صداقت کو آیندہ نسل کے لئے چھوڑ دیا، اس بنا پہ محدثین میں اختلاف ہے کہ یہ پیشین گوئی کب پوری ہوگی؟ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس کا زمانہ نزولِ عیسیٰ کے بعد آئے گا، لیکن بیہقی کے نزدیک حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے زمانہ میں یہ پیشین گوئی پوری ہوچکی، چنانچہ انھوں نے دلائل میں روایت کی ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے صرف ڈھائی برس خلافت کی لیکن اس مختصر زمانے میں یہ حالت ہوگئی کہ لوگ اُن کے عمال کے پاس بہ کثرت مال لے کر آتے تھے، اور کہتے تھے کہ فقراء کو دے دو، لیکن ان کو اپنا مال واپس لے کر جانا پڑتا تھا کیوں کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے تمام لوگوں کو اس قدر مالا مال کر دیا تھا کہ کوئی شخص اس قابل نہیں ملتا تھا کہ اس کو یہ مال دیا جائے، اور حافظ ابن حجر نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے کیونکہ آپؐ نے عدی بن حاتم سے فرمایا تھا:۔

لئن طالت بک حیاۃ

اگر تم کچھ دنوں زندہ رہے

اور وہ نزولِ عیسیٰ کے زمانے تک کسی طرح زندہ نہیں رہ سکتے تھے[1]

[1] [illegible]

تاریخی واقعات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، طبقات ابن سعد میں محمد بن قیس سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضؓ نے حکم دیا کہ مستحقین پر صدقہ تقسیم کیا جائے، لیکن میں نے دوسرے سال دیکھا کہ جو لوگ صدقہ قبول کرتے تھے وہ صدقہ دینے کے قابل ہو گئے[1]

یحیی بن سعید کا بیان ہے کہ مجھ کو حضرت عمر بن عبد العزیز رضؓ نے افریقہ کا صدقہ وصول کرنے کے لئے بھیجا، میں نے صدقہ وصول کر کے فقراء کو بلایا کہ ان پر تقسیم کر دوں، لیکن مجھ کو کوئی فقیر نہیں ملا، کیونکہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضؓ نے لوگوں کو دولت مند بنا دیا تھا، اس لئے میں نے صدقہ کی رقم سے غلام خرید کر آزاد کر دیئے[2]

ایک بار مدینہ سے کوئی شخص آیا اور حضرت عمر بن عبد العزیز رضؓ نے اس سے اہل مدینہ کے حالات پوچھے اور کہا کہ ان مسکینوں کا کیا حال ہے، جو فلاں فلاں جگہ بیٹھتے تھے، اس نے کہا کہ اب وہ وہاں سے اٹھ گئے، خدا نے ان کو بے نیاز کر دیا، یہ وہ غرباء تھے جو مسافروں کے لئے چارہ بیچتے تھے، لیکن جب حضرت عمر بن عبد العزیز رضؓ کے زمانے میں ان سے چارہ مانگا گیا تو کہا کہ اب ہم کو عمر بن عبد العزیز رضؓ کے زمانے میں ان سے چارہ مانگا گیا تو کہا کہ اب ہم کو عمر بن عبد العزیز رضؓ کے عطیہ نے اس تجارت سے بالکل بے نیاز کر دیا[3]

ان کے زمانے میں رعایا کی یہ خوش حالی اس درجہ کو پہنچ گئی کہ ان کے عمال کو خوف

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضؓ ص ۲۵۶

[2] سیرت ابن عبد الحکم ص ۶۹ [3] سیرت عمر بن عبد العزیز رضؓ ص ۷۶

پیدا ہوا کہ لوگ دولت کے نشے میں کہیں حد اعتدال سے گذر کر کبر و نخوت میں مبتلا نہ ہو جائیں، چنانچہ عدی بن ارطاۃ نے ان کو لکھا کہ اہل بصرہ اس قدر خوش حال ہو گئے ہیں کہ مجھے خوف ہے کہ وہ فخر و غرور نہ کرنے لگیں، لیکن حضرت عمر بن عبد العزیز رضؓ نے جواب دیا کہ خدا نے جب اہل جنت کو جنت میں داخل کیا تو ان کے لئے یہ پسند کیا کہ وہ الحمد للہ کہیں، اس لئے تم بھی لوگوں کو حکم دو کہ خدا کا شکر بجا لائیں[1]

ان واقعات کے پیش نظر رکھنے کے بعد ایک نکتہ سنج مؤرخ کے دل میں خود بخود یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس عام خوش حالی کے اسباب کیا تھے؟ لیکن ہم کو ان اسباب کی جستجو میں بہت زیادہ کد و کاوش کی ضرورت نہیں، وہ اس کثرت سے ہیں کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضؓ کی سوانح زندگی جہاں سے اٹھا کر پڑھو ان میں کوئی نہ کوئی سبب ضرور نظر آئے گا۔

(۱) اسلامی خلافت میں ملک کی خوش حالی کا تمام تر دارومدار بیت المال پر تھا، اور حضرت عمر بن عبد العزیز رضؓ نے بیت المال کا دروازہ تمام قوم کے لئے کھول دیا تھا، اس سے امیر و غریب سب یکساں طور پر متمتع ہوتے تھے۔

ایک بار ایک شخص کو رقہ میں تقسیم مال کے لئے بھیجا تو اس نے کہا کہ آپ مجھے ایسی جگہ بھیجتے ہیں جہاں میں کسی کو نہیں پہچانتا، حالانکہ ان میں امیر و غریب ہر قسم کے لوگ ہیں، بولے جو شخص تمہارے سامنے ہاتھ پھیلائے اس کو دو[2]

اپاہجوں کے وظائف مقرر کئے[3] اور اس پر اس شدت کے ساتھ عمل کیا کہ جو

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضؓ ص ۲۸۲ [2] زرقانی شرح مؤطا جلد ۴ ص ۲۳۷ [3] اصابہ تذکرہ عوام ابن المنذر

عامل اس کی خلاف ورزی کرتا تھا وہ معتوب ہوتا تھا، ایک بار دمشق کے بیت المال سے ایک اپاہج کا وظیفہ مقرر کیا گیا، تو ایک عامل نے کہا کہ اس قسم کے لوگوں کے ساتھ سلوک تو کیا جاسکتا ہے، لیکن صحیح آدمی کے برابر وظیفہ نہیں مقرر کیا جا سکتا، لوگوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رح کی خدمت میں اس کی شکایت کی تو انھوں نے اس پر اپنا عتاب ظاہر فرمایا[1]

ملک میں جتنے مسلمان تھے اُن میں بچے بچے کا وظیفہ مقرر کیا، محمد بن عمر کا بیان ہے "کہ میں ۱۰۰ھ میں پیدا ہوا تو میری دایہ مجھ کو ابوبکر بن حزم کی خدمت میں لے گئی، اور انھوں نے مجھ کو ایک دینار دیا۔"

ہیثم بن واقد کہتے ہیں کہ میں ۹۷ھ میں پیدا ہوا، اس کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز رح خلیفہ ہوئے اور مجھے اُن کی خلافت میں تین دینار بطور وظیفہ سالانہ کے ملے[2]

یہ وظائف تمام لوگوں کو مساویہ طور پر ملتے تھے[3] یہاں تک کہ جو لوگ ہمیشہ سے تفوق و امتیاز کے خوگر تھے، وہ اس مساوات کو دیکھ کر اُن سے بالکل الگ ہو گئے[4] عرب اور موالی میں ہر قسم کے عطیہ میں مساوات تھی، صرف آزاد شدہ غلاموں کے وظائف میں کچھ فرق تھا یعنی وہ ۲۵ اشرفیاں پاتے تھے[5]

وظائف میں معتد بہ اضافہ بھی کرتے رہتے تھے، چنانچہ ایک بار اس میں دس دس دینار یا دس درہم کا اضافہ کیا، اور اس سے عرب اور موالی دونوں یکساں

[1] طبقات ابن سعد، ص ۲۸۱ [2] ایضاً ص ۲۷۷ [3] ایضاً ص ۲۵۴
[4] سیرت عمر بن عبدالعزیز رح ص ۴۷ [5] طبقات ص ۲۷۷

طور پر متمتع ہوئے[1]

اس فیاضانہ طرزِ عمل سے بیت المال کو سخت نقصان پہونچا، چنانچہ بعض عمال نے اُن کو اس طرف توجہ بھی دلائی، لیکن انھوں نے اس کی کچھ پروا نہیں کی اور اُن کو لکھا کہ جب تک خزانے میں روپیہ ہے دیئے چلے جاؤ، جب کچھ نہ رہے تو اس میں کوڑا کرکٹ بھر دو[2]۔

غربا کی امداد و اعانت | وظائف و عطایا کے علاوہ غربا کی امداد و اعانت کے مختلف طریقے قائم کئے:-

(۱) ایک عام لنگر خانہ قائم کیا، جس سے فقراء و مساکین کو برابر کھانا ملتا تھا[3]۔

(۲) تمام لوگوں کے لئے مساویانہ طور پر غلہ مقرر کیا، جو فی کس ساڑھے چار اردب ملتا تھا[4]۔

(۳) غرباء کے پاس جو کھوٹے سکے ہوتے تھے اُن کی نسبت بیت المال کے افسروں کو لکھا کہ اگر یہ لوگ ان سکوں کو بدلنا چاہیں تو کھرے سکوں سے بدل دیئے جائیں[5]۔

(۴) بیت المال میں ایک خاص مد قائم کی جس سے قرض داروں کا قرض ادا کیا جاتا تھا[6]۔

(۵) قیدیوں کا وظیفہ مقرر فرمایا[7]۔

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیز رح ص ۸۷، مؤرخ یعقوبی نے لکھا ہے کہ اس اضافہ سے اہل عراق محروم رہے [2] سیرت عمر بن عبدالعزیز رح ص ۸۵ [3] طبقات ص ۲۷۹ [4] ایضاً ص ۲۸۵
[5] سیرت عمر بن عبدالعزیز رح ص ۹۰ [6] طبقات ص ۲۵۰ [7] ایضاً ص ۲۵۷

(۶) جن لوگوں کے وظائف کسی جرم یا کسی سبب سے روک دیے گئے ان کو تمام بقایا وظیفہ دے دیا[1]

۲۔ دوسرے خلفاء کے زمانے میں ملک کی غربت و افلاس کا بڑا سبب یہ تھا کہ خلفاء و عمّال دوسروں کے مال و جائداد پر غاصبانہ قبضہ کر لیتے تھے، اور وہ ہمیشہ کے لئے اُن کی ملک ہو جاتے تھے، لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز رض نے جیسا کہ اوپر گذرا ان تمام لوگوں کی جائدادیں واپس کر دیں، بلکہ اس کے معاوضہ میں خود بیت المال سے بہت سی رقمیں واپس دلوائیں، خود اُن کے امراء و عمّال میں اگر کسی نے اس قسم کی دست درازی کی اور ان کو اس کا علم ہوا تو فوراً مال مغصوبہ کو واپس دلایا۔

ایک بار کسی شخص نے اُن کی خدمت میں شکایت کی کہ آذربائیجان کے عامل نے ظلماً میرے بارہ ہزار درہم لے لئے، اور اس کو بیت المال میں داخل کر دیا، تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رض نے حکم دیا کہ اس کو فوراً یہ رقم واپس دلا دی جائے[2]

ایک بار ایک شخص نے شکایت کی شاہی فوج کے گذرنے سے اس کی زراعت بالکل پامال ہو گئی، حضرت عمر بن عبدالعزیز رض نے اس کو دس ہزار درہم تاوان دلوایا[3]

۳۔ رعایا کو جو کچھ بیت المال سے ملتا تھا اس کے دینے میں تو یہ فیاضی تھی، لیکن رعایا سے جو رقم وصول ہو کر بیت المال میں داخل ہوتی تھی اس میں بہت سی رقموں کو

---

[1] طبقات ص ۲۵۶ [2] سیرت عمر بن عبدالعزیز رض ص ۷۵، [3] ایضاً ص ۷۹، یہ واقعہ اس موقع سے بہت کم مناسبت رکھتا ہے ہم نے استطراداً اس کا تذکرہ کر دیا۔

بالکل ناجائز قرار دیا، چنانچہ اس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔

صدقات میں پہلے جو زائد رقمیں وصول کی جاتی تھیں، حضرت عمر بن عبدالعزیز رض نے ان تمام رقموں کو واپس کر دیا۔

ایک بار اُن کا ایک عامل صدقہ وصول کر کے آیا تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رض نے اس کی مقدار پوچھی، اُس نے مقدار بتائی تو پوچھا، کہ تم سے پہلے کس مقدار میں صدقہ وصول ہوتا تھا، اُس نے اس سے زیادہ مقدار بتائی، فرمایا یہ کہاں سے وصول ہوتی تھی؟ اس نے کہا یا امیرالمؤمنین! پہلے گھوڑے سے ایک دینار خادم سے ایک دینار اور فدان سے پانچ درہم وصول کئے جاتے تھے، لیکن آپ نے ان رقموں کو بالکل معاف کر دیا، فرمایا میں نے معاف نہیں کیا خدا نے معاف کیا[1]

خراج کی وصولی کے متعلق سخت حکم تھا کہ اس میں کسی قسم کا ناجائز طریقہ استعمال نہ کیا جائے، چنانچہ میمون بن مہران کو لکھا کہ میں نے مقدمات و تحصیل خراج و جزیہ میں تم کو ظلم کے لئے تکلیف نہیں دی، جو کچھ وصول کرو حلال مال سے وصول کرو، اور مسلمانوں کے لئے صرف حلال و طیب مال جمع کرو[2]

اگر کبھی معلوم ہوتا تھا کہ خراج کی وصولی میں اس قسم کا ناجائز طریقہ اختیار کیا گیا ہے تو سخت دارو گیر کرتے تھے، اور اس کی تحقیقات کے لئے اشخاص روانہ کرتے تھے۔ ایک بار معلوم ہوا کہ ایران میں بہت سے عمّال پھلوں کا تخمینہ کر کے اس کو نرخ بازار سے مختلف نرخ پر فروخت کرتے ہیں اور اس کے بدلے میں روپیہ

---

[1] طبقات ص ۲۷۰ [2] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز رض ص ۹۵

لیتے ہیں، اور بہت سے کردراستہ میں لوگوں سے عشر وصول کرتے ہیں تو اس کی تحقیقات کے لئے بشر بن صفوان، عبداللہ بن عجلان اور خالد بن سالم کو مقرر فرمایا، اور عدی بن ارطاۃ کو لکھا کہ "اگر یہ واقعہ صحیح ہوگا تو یہ لوگ ان پھلوں کو جو اس طریقہ سے وصول کئے گئے ہیں واپس کردیں گے، معمولی نرخ کی پابندی کریں گے، اور جو خبریں مجھ تک پہنچی ہیں ان سب کی تحقیقات کریں گے، تم اُن سے چھیڑ چھاڑ نہ کرنا"[1]

ان سے پہلے جو خلفاء تھے وہ ذمیوں سے غیر معمولی سختی کے ساتھ جزیہ وصول کرتے تھے، اس لئے وہ پیداوار کو نہایت ارزاں قیمت پر فروخت کرکے اس شکنجہ عذاب سے آزاد ہوجاتے تھے، لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز رضؓ نے اس معاملہ میں نہایت آسانیاں کیں، اس لئے اُن کے زمانے میں پیداوار کا نرخ کسی قدر گراں ہوگیا[2] جس سے ناگزیر طور پر ذمیوں کو مالی فائدہ پہنچا۔

اب ملک کی شادابی، سرسبزی اور خوش حالی کے ان اسباب پر مجموعی حیثیت سے غور کرو کہ بیت المال کی کل رقم صرف رعایا پر صرف ہوتی ہے، سب کے وظائف مقرر ہوتے ہیں، لولے، لنگڑے، بوڑھے، بچے، موالی و عرب سب اس سے یکساں طور پر فائدہ اٹھاتے ہیں، وظائف میں اضافے ہوتے رہتے ہیں، لنگرخانہ قائم ہوتا ہے، تمام قوم کو غلہ ملتا ہے، غریبوں کے کھوٹے سکے بیت المال سے بدل دیئے جاتے ہیں، مغصوبہ جائدادیں رعایا کو واپس ملتی ہیں، رعایا کے نقصانات کا تاوان دلایا جاتا ہے، مختلف قسم کے گراں بار ٹیکس معاف کردیئے جاتے ہیں،

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۲۹۰ [2] کتاب الخراج ص ۷۶

جزیہ و خراج میں تخفیف ہوتی ہے اور اُن کی وصولی کا طریقہ بالکل جائز اور نہایت آسان اختیار کیا جاتا ہے، ملک کی پیداوار کا نرخ گراں ہوجاتا ہے، تو اس سے صاف معلوم ہوجائے گا کہ جس ملک، جس قوم اور جس سلطنت میں یہ سب جمع ہو جائیں گی، تو اس میں رفاہیت، خوش حالی، تموّل اور سرسبزی و شادابی کے سوا اور کس چیز کا دور دورہ ہوگا، حضرت عمر بن عبدالعزیز رضؓ کا عہدِ سلطنت ان تمام اسباب کا جامع تھا، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کا جیسا کہ بیہقی کا خیال ہے مصداق تھا۔
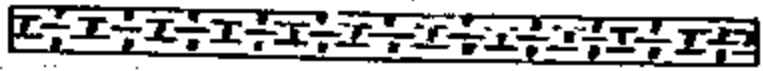
نظامِ حکومت کا انقلاب

حضرت عمر بن عبد العزیز رح نے جو عادلانہ نظامِ حکومت قائم کیا تھا یزید بن عبد الملک نے جو اُن کا جانشین ہوا صرف چالیس دن تک اس کو قائم رکھا، اس کے بعد اس جادۂ عدل سے الگ ہو گیا۔[1] حضرت عمر بن عبد العزیز رح نے جو متدین عمال مقرر کئے تھے یزید نے اُن سب کو یکقلم موقوف کر دیا[2] نوروز اور مہرجان کے تحفے اور بیگار کی رسم جن کو حضرت عمر بن عبد العزیز نے بالکل مٹا دیا تھا، دوبارہ قائم کی۔[3] فدک جس کو حضرت عمر بن عبد العزیز نے اپنی وراثت سے نکال کر اولاد فاطمہ رض کو دیا تھا، یزید نے اس کو پھر واپس لے لیا۔[4] دمشق کا ایک گرجا جو بنی نصر کی جاگیر میں آگیا تھا، حضرت عمر بن عبد العزیز رح نے اسے نصاریٰ کو واپس کر دیا تھا، لیکن یزید نے اس کو دوبارہ پھر اسی خاندان کو دیدیا۔[5] محمد بن یوسف نے اہلِ یمن پر جو ظالمانہ خراج لگایا تھا، حضرت عمر بن عبد العزیز رح نے اس کو عُشر سے بدل دیا تھا، لیکن یزید بن عبد الملک نے اس کو دوبارہ قائم

[1] تاریخ الخلفاء ص ۲۴۷ [2] یزید بن عبد الملک کا تذکرہ [3] یعقوبی جلد ۲ ص ۳۷۲۔
[4] ایضاً ص ۳۰۷ [5] ایضاً ص ۳۶۶ [5] فتوح البلدان ص ۱۳۰

کیا۔[1] حجاج اہلِ نجران سے جزیہ میں آٹھ سو منقش کپڑے لیتا تھا، لیکن حضرت عمر بن عبد العزیز رض نے اُن کے ساتھ تخفیف و رعایت کی اور دو سو کپڑے کر دیئے لیکن یوسف بن عمر ولید بن یزید کے زمانے میں جب عراق کا والی ہوا تو اس نے پھر حجاج کا وہی قدیم طریقہ قائم کر دیا،[2] فرات کے پاس نو مسلموں کی جو زمینیں تھیں یا غیر قوموں کی جن زمینوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تھا، حجاج نے اُن کو خراجی قرار دیا تھا، لیکن حضرت عمر بن عبد العزیز نے دوبارہ اس کو عُشری قرار دیا، لیکن عمر بن ہبیرہ نے اس طریقہ کو بدل دیا اور پھر اُن سے خراج وصول کیا۔[3] حضرت عمر بن عبد العزیز رض نے لوگوں کو قدریہ کے مذہب کے قبول کرنے سے سختی کے ساتھ روکا تھا، لیکن جب یزید بن ولید خلیفہ ہوا تو اس مذہب کی عام دعوت دی اور غیلان کے رفقاء کو مقرب بارگاہ بنایا۔[4]

غرض حضرت عمر بن عبد العزیز رض نے جو نظامِ سلطنت قائم کیا تھا وہ چند ہی روز میں درہم برہم ہو گیا، اور دنیا نے صرف ڈھائی برس حضرت عمر بن الخطاب رض کے طرزِ حکومت سے فائدہ اُٹھایا۔

[1] فتوح البلدان ص ۱۰۰ [2] ایضاً ص ۷۴ [3] ایضاً ص ۲۷۵ [4] تاریخ الخلفاء ص ۲۵۵

مآثر بنی امیہ[۱]

عیب مے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو

حضرت عمر بن عبدالعزیز رض کے واقعاتِ زندگی کے سلسلہ میں خلفائے بنوامیہ کے جو مثالب ضمنی طور پر آگئے ہیں اُن کی بناء پر اُن کے محاسن کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔

قومی عصبیت کا تحفظ اُن کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے عرب کی عصبیت، عرب کی سادگی اور عرب کے شعار کو قائم رکھا اس بناء پر اُن کا نظامِ حکومت ڈپلومیسی یعنی مخادعاتِ سیاسیہ سے بالکل ناآشنا رہا، اور اس کی تمام تر بنیاد قوت، بسالت اور شجاعت پر قائم رہی، اس کے بخلاف دولتِ عباسیہ بالکل عجمی رنگ میں ڈوبی ہوئی تھی، خلفاء تو بے شبہ عربی النسل تھے لیکن خلافت کے چلانے والے تمام تر عجمی تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس خلافت نے قوت کے سرمایہ کو بالکل کھو دیا، اور اس کی بنیاد تمام حیلِ سیاسیہ پر قائم ہوگئی، چنانچہ آداب السلطانیہ میں اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ لکھی ہے:۔

۱ حضرت الاستاذ علامہ شبلی مرحوم نے اپنے رسالہ الانتقاد میں جو کچھ مآثر بنوامیہ پر لکھا ہے وہ اس مضمون میں لے لیا گیا ہے۔

واعلم ان الدولة العباسية كانت دولة ذات خدع ودهاء وغدر وكان قسم التحيل والمخادعة فيها اوفر من قسم القوة والشدة خصوصًا في اواخرها فان المتاخرين منهم ابطلوا القوة والشدة والنجدة وركنوا الى الحيل والخدع[۱]

دولت عباسیہ ایک پُرفریب اور حیلہ باز سلطنت تھی، اس میں بہ نسبت قوت کے مکروفریب کا عنصر زیادہ غالب تھا بالخصوص اس کے آخری زمانہ میں، پچھلے خلفاء نے تو قوت و شجاعت کو بالکل کھو دیا، اور مکروفریب کی طرف مائل ہوگئے۔

کثرتِ فتوحات اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اموی دور میں فتوحات کو جس قدر وسعت ہوئی تاریخِ اسلام میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی، خلافتِ راشدہ میں اگرچہ اسلام کی فتوحات کا دائرہ بہت کچھ وسعت پذیر ہوچکا تھا تاہم مجاہدین کا قدم حدودِ عرب، دیارِ شام اور مصر و ایران سے آگے نہ بڑھ سکا تھا لیکن بنوامیہ کے دورِ حکومت میں طرابلس، طنجہ، اندلس، چین، ہند، روم، قسطنطنیہ، عراق، تونس، مراکش، خراسان، فارس، توران، طبرستان، جرجان، سجستان، افغانستان، سبھی اسلام کے زیرنگیں ہوتے، اور مشرق و مغرب، جنوب و شمال غرض دنیا کے ہر حصے میں اسلام کا پرچم لہرایا۔

خلفائے بنوامیہ میں اس حیثیت سے ولید کا زمانہ خصوصیت کے ساتھ ایک یادگار زمانہ خیال کیا جاتا ہے چنانچہ علامہ سیوطی تاریخ الخلفاء میں لکھتے ہیں:۔

۱ آداب السلطانیہ ص ۳۲

ولكنه اقام الجهاد في ايامه وفتحت في خلافته فتوحات عظيمة [1]

لیکن اس نے اپنے زمانے میں جہاد کو قائم کیا اور اس کی خلافت میں بڑی بڑی فتوحات حاصل ہوئیں۔

یہ جنگی طاقت اسی ساز وسامان کے ساتھ ہشام کے زمانہ تک قائم رہی، چنانچہ مسعودی نے اس کے حالات میں لکھا ہے:۔

واستجاد الكسى والفرش وعدد الحرب ولامتها واصطنع الرجال وقوى الثغور [2]

اس نے عمدہ لباس، عمدہ فرش اور عمدہ آلات حرب تیار کرائے، فوجی کام کے لئے سپاہی تیار کئے اور سرحد کو مضبوط کیا۔

باقاعدہ طور پر بحری جنگ کا آغاز بھی بنو امیہ ہی کے زمانہ میں ہوا، انہی کے زمانے میں اس نے وسعت حاصل کی، انہی کے زمانہ میں سواحل کی قلعہ بندی ہوئی، اور انہی کے زمانے میں جہاز سازی کے کارخانے قائم ہوئے۔

انتظاماتِ ملکی

لیکن فتح بجائے خود کوئی ایسا قابلِ فخر کارنامہ نہیں ہے بلکہ فتوحات کے ساتھ یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ مفتوحہ ممالک میں کیا کیا انتظامات کئے گئے؟ رعایا کی بہبودی، زراعت کی شادابی اور رفاہِ عام کے متعلق کیا کیا خدمات انجام دی گئیں؟ ملک کی آبادی اور ملک کی ترقی پر فاتح کا کیا اثر پڑا؟ لیکن بنو امیہ کا دورِ حکومت اس حیثیت سے بھی ایک مہذب دورِ حکومت کہا جاسکتا ہے۔

[1] تاریخ الخلفاء ص ۲۲۴

[2] مروج الذہب مسعودی برحاشیہ نفح الطیب جلد ۳ ص ۲۱

زمین کی پیمائش

زمین کی پیمائش سب سے پہلے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کرائی تھی، ان کے بعد کسی خلیفہ نے اس کی طرف توجہ نہیں کی، یزید بن عبدالملک پہلا شخص ہے جس نے اس طرف توجہ کی اور عمر بن ہبیرہ کو عراق کے بندوبست کے لئے لکھا[1] اگرچہ علامہ یعقوبی کی تصریح کے موافق اس سے خراج میں کوئی تخفیف اور آسانی نہیں پیدا ہوئی تاہم اس سے ملکی انتظامات کی باقاعدگی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

زرعی نہریں

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ذرائع آبپاشی کو نہایت ترقی دی، اور ان کو اس کا خاص اہتمام تھا، چنانچہ خلاصۃ الوفا میں ہے۔

كان بالمدينة الشريفة وما حولها عيون كثيرة وكان لمعاوية اهتمام بهذا الباب [2]

مدینہ شریف اور اس کے اطراف میں بہت سی نہریں جاری تھیں، اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کا خاص اہتمام تھا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو نہریں جاری کرائیں، ان میں نہر کظامہ، نہر ازرق اور نہر شہداء وغیرہ کا نام وفاء الوفاء اور خلاصۃ الوفا میں مذکور ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے پہاڑوں کی بعض گھاٹیوں کے گرد بند بندھوا کر ان کو بھی تالاب کی صورت میں بدل دیا تھا جس میں پانی جمع ہوتا تھا[3] اور اس سے زراعت کی پیداوار کو جو ترقی ہوئی اس کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان نہروں کے ذریعہ سے ڈیڑھ لاکھ وسق خرما اور ایک لاکھ وسق گیہوں کی پیداوار ہوتی تھی۔

[1] یعقوبی جلد ۲ ص ۳۶۶ [2] خلاصۃ الوفا ص ۲۳۰ [3] وفاء الوفا جلد ۲ ص ۳۲۱

پانی پینے کے چشمے | خلفائے بنو امیہ نے زرعی نہروں کے علاوہ اور بہت سے چشمے جاری کرائے، جس سے رعایا کو شور پانی کے بجائے آبِ شیریں میسر ہوا، سلیمان بن عبدالملک نے مکّہ میں آبِ شیریں کا ایک چشمہ جاری کرایا، جس کا پانی سیسہ کی نالی کے ذریعہ سے مسجد حرام تک پہنچتا تھا، پھر ایک فوارے کے ذریعہ سے ایک سنگی حوض میں گرتا تھا، جو رکنِ اسود اور زمزم کے درمیان تیار کرایا گیا تھا۔

یہ حوض بنو امیّہ کے اخیر زمانے تک قائم رہا، لیکن جب بنو ہاشم کا دورِ حکومت آیا تو داؤد بن علی نے اس کو منہدم کرا دیا[1] ہشام نے بھی مکّہ کے راستوں میں متعدد حوض و تالاب تیار کرائے تھے، لیکن وہ بھی دولتِ عباسیہ کے آغاز میں داؤد بن علی کے ہاتھوں برباد ہوئے[2] جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خلفائے عباسیہ نے کس بیدردی کے ساتھ بنو امیّہ کی یادگاروں کو مٹایا، مکّہ کے بعد پانی کی ضرورت سب سے زیادہ بصرہ والوں کو تھی، اور خلفائے بنو امیّہ نے نہایت اہتمام کے ساتھ اس ضرورت کو پورا کیا، چنانچہ ایک بار بصرہ کے لوگوں نے یزید کے عامل کے پاس آبِ شیریں کی ضرورت ظاہر کی، تو اس کی اطلاع دینے پر یزید نے اس کو ایک نہر کھدوانے کا حکم دیا، اور لکھا کہ "اگر عراق کا کل خراج اس پر صرف ہو جائے تب بھی خرچ کرنے سے دریغ نہ کیا جائے"، چنانچہ اس نے ایک نہر کھدوائی جس کا نام نہر عمر ہے۔

---

[1] یعقوبی جلد ۲ ص ۳۵۲

[2] مروج الذہب مسعودی برحاشیہ نفخ الطیب ج ۳ ص ۲۱

بنو امیّہ کے عمّال نے بصرہ میں اور بھی بکثرت نہریں کھدوائیں جن کے نام فتوح البلدان میں جا بجا پائے جاتے ہیں۔

راستوں کی ہمواری | عرب ایک سنگستانی مقام، جہاں کے راستے نہایت دشوار گذار ہیں، ولید نے رفاہ عام کے جہاں بہت سے کام کئے، اسی سلسلہ میں اس نے عرب کے تمام راستے ہموار کرائے اور ان میں کنویں کھدوائے[1]

انطاکیہ اور مصیصہ کے درمیان جو راستہ تھا، وہ موذی جانوروں کی وجہ سے بالکل غیر مامون تھا، ولید نے اس خطرہ کے انسداد کے لئے چار ہزار بھینسے بھیجے جن سے درندوں کا خطرہ بہت کم ہو گیا، اسی طرح اس نے اور بھی بعض جنگل کٹوائے، جن سے لوگوں کو درندوں کے حملہ سے نجات ملی۔

شفاخانہ | رفاہِ عام کے کاموں میں ولید پہلا فرماں روا ہے جس نے شفاخانہ کی بنیاد ڈالی، چنانچہ مورخ یعقوبی لکھتا ہے:۔

وکان اول من عمل بیمارستان للمرضی[2] — ولید پہلا شخص ہے جس نے مریضوں کے لئے شفاخانہ بنایا۔

مہمان خانہ | مسافروں کے لئے سب سے پہلے حضرت عمر بن الخطابؓ نے مہمان خانہ تعمیر کروایا، اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے اُن کی تقلید کی، اور ولید نے بھی اس سنتِ راشدہ کو قائم رکھا، اور ایک مہمان خانہ تیار کروایا[3]

فقراء بے کس اور اپاہج لوگوں کے وظائف | ہمارے مورخین ولید کے جبر و تشدد کے جہاں شاکی ہیں اس کے ساتھ وہ اس کے اس لطف و کرم کا بھی اعتراف کرتے

---

[1] ابن اثیر حوادث ۸۸ھ [2] یعقوبی جلد ۲ ص ۳۴۸ [3] ایضاً ص ۳۲۸

ہیں، کہ اس نے جذامیوں، اندھوں اور فقیروں کے وظائف جاری کئے، اور یتیموں کی تعلیم و تربیت کے لئے معلمین کا تقرر کیا، ہر اندھے کے لئے ایک آدمی متعین کیا جو اس کو راستہ دکھاتا تھا، ہر اپاہج کو ایک خادم دیا جو اس کی ضروریات کو پورا کرتا تھا[1]، ولید کے بعد خلفائے بنو امیہ میں ولید بن یزید بن عبد الملک نے بھی اس کی تقلید کی، چنانچہ علامہ ابو الفرج نے اس کے حال میں لکھا ہے۔

فلما ولی الولید اجری علی زمنی اهل الشام وعمیانهم وکساهم[2]	جب ولید خلیفہ ہوا تو اس نے شام کے اپاہجوں اور اندھوں کے وظائف مقرر کئے اور انکو کپڑے دیئے۔

عمارات اسلام میں فن تعمیر کی ترقی بنو امیہ کے عہد میں ہوئی، اور امیر معاویہؓ پہلے شخص ہیں جنھوں نے شاندار عمارتیں بنوائیں، چنانچہ تاریخ یعقوبی میں لکھا ہے۔

بنی وشید البناء[3]	انھوں نے عمارتیں بنوائیں اور شاندار بنوائیں

امیر معاویہؓ کے بعد ولید بن عبد الملک نے صیغۂ تعمیر کو اس قدر ترقی دی کہ تاریخ اسلام میں اس دور حکومت کو اس حیثیت سے ممتاز خیال کیا جاتا ہے، آداب السلطانیہ میں ہے۔

وکان شدید الکلف بالعمارات والابنیة واتخاذ المصانع والضیاع وکان الناس یلتقون فی زمانه فیسئل بعضهم بعضا عن الابنیة والعمارات۔[4]	اس کو عمارات اور جہاز سازی کے کارخانے وغیرہ بنانے کا نہایت ذوق تھا یہاں تک کہ اس کے زمانے میں جب لوگ باہم ملتے تھے تو صرف عمارات ہی کا تذکرہ کرتے تھے۔

ولید نے جو عمارتیں تعمیر کروائیں ان میں جامع مسجد دمشق، مسجد دمشق، مسجد نبوی،

[1] تاریخ الخلفاء ص ۲۴۴ و یعقوبی ج ۲ ص ۳۴۸ [2] مختصر الدول ص ۲۰۳
[3] یعقوبی جلد ۲ ص ۲۷۶ [4] آداب السلطانی ص ۱۱۴

اور مسجد اقصیٰ، تمدن اسلام کے چہرے کا آب و رنگ ہیں، عمارات کے علاوہ خلفائے بنو امیہ نے ملک کے اطراف میں نہایت کثرت سے شہر آباد کرائے حجاج نے کوفہ اور بصرہ کے درمیان ایک شہر بسایا جس کا نام واسط رکھا، سلیمان بن عبد الملک نے رملہ کو آباد کیا، اور اس میں محل، مسجد، کنوئیں اور تالاب تیار کرائے عقبہ بن نافع نے افریقہ میں قیروان کو آباد کیا، اس کے علاوہ انھوں نے اور بھی بہ کثرت شہر آباد کرائے، جن کی تفصیل اس موقع پر نہیں کی جاسکتی۔

اولیات بنو امیہ کے ترقی پذیر دور حکومت کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ انھوں نے مختلف قسم کے جدید انتظامات کئے جن کی تفصیل یہ ہے:

ڈاک کا انتظام حضرت امیر معاویہؓ کے زمانے سے پہلے ڈاک کا کوئی انتظام نہ تھا، جس کی وجہ سے فوجی اور ملکی خبریں سرعت کے ساتھ نہیں پہنچ سکتی تھیں، حضرت امیر معاویہؓ نے اس غرض سے مختلف مقامات پر تیز رو گھوڑے مقرر کئے جن کے ذریعہ سے خبر رسانی میں نہایت آسانیاں پیدا ہو گئیں، عربی میں اس صیغہ کا نام برید ہے اور لغت میں برید کا اطلاق ۱۲ میل کی مسافت پر ہوتا ہے، علامہ فخری نے لکھا ہے کہ غالباً بارہ بارہ میل پر گھوڑے مقرر کئے گئے ہوں گے اسی لئے اس صیغہ کا نام بریدہ رکھا۔

دیوان الخاتم حضرت امیر معاویہؓ کے زمانہ سے پہلے خلفاء جو احکام صادر کرتے تھے وہ بالکل بے ضابطہ ہوتے تھے، جس کی بناء پر لوگوں کو بددیانتی کا موقع مل سکتا تھا، حضرت امیر معاویہؓ کے زمانے میں بھی کچھ دنوں یہی طریقہ جاری رہا، لیکن ایک بار انھوں نے ایک شخص کو ایک لاکھ درہم دلوائے اور اس کے لئے زیاد کے نام حکم لکھا، وہ فرمان لے کر چلا تو ایک لاکھ کے بجائے

دو لاکھ بنا دیئے، بعد کو جب زیاد نے حساب پیش کیا تو امیر معاویہؓ نے اس پر گرفت کی، اور ایک لاکھ کی مزید رقم اس شخص سے واپس لی، اس واقعہ کے بعد اُن کو فرامین شاہی کی باضابطگی کی طرف توجہ ہوئی، اور انھوں نے ایک خاص محکمہ قائم کیا، جس کا نام دیوان الخاتم رکھا، اس محکمہ کے قائم ہونے کے بعد جو فرمان صادر ہوتا تھا اس کی باضابطہ نقل کی جاتی تھی، اس کی نتھی کی جاتی تھی، اور اس پر مہر لگائی جاتی تھی، جس سے کسی کو اس قسم کی بددیانتی کا موقع نہیں مل سکتا تھا، یہ صیغہ خلافتِ عباسیہ کے وسط زمانہ تک قائم رہا، لیکن اس کے بعد توڑ دیا گیا[1]

باضابطہ محکمے

اسلام میں باضابطہ محکمے بھی حضرت امیر معاویہؓ ہی کے زمانہ میں قائم ہوئے، چنانچہ مؤرخ یعقوبی نے زیاد کے حال میں لکھا ہے:۔

وكان اول من دون الدواوين ووضع النسخ للكتب وافرد كتاب الرسائل من العرب والموالي المتفصحين وكان زياد يقول ينبغي ان يكون كتاب الخراج من رؤساء الاعاجم العالمين بامور الخراج وكان زياد اول من بسط الارزاق على عماله الف الف درهم[2]

زیاد پہلا شخص ہے جس نے محکمے قائم کئے اور کاغذات کی نقلیں لیں، اور سرکاری کاغذات کے لکھنے کے لئے فصیح عرب اور موالی مخصوص کئے، زیاد کہا کرتا تھا کہ خراج کے محرر عجم کے رؤسا میں سے مقرر کرنے چاہئیں جو خراج کے معاملات سے واقف ہوتے ہیں اور زیاد پہلا شخص ہے جس نے اپنے عہدہ داروں کی تنخواہیں بڑھائیں اور اُن کے لئے ہزار ہزار درہم مقرر کئے۔

ملکی صیغوں میں عربی زبان کا رواج

لیکن ان تمام محکموں میں فارسی زبان رائج تھی لیکن عبدالملک کا دورِ حکومت آیا تو اس نے تمام صیغوں کی زبان عربی کر دی[1]، اور یہ پہلا دن تھا کہ عربی زبان کو سرکاری زبان ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

عبدالملک نے غالباً عراق اور حدودِ عراق کے محکموں میں یہ اصلاح کی تھی، شام کے اطراف میں رومی زبان سرکاری حیثیت سے تمام محکموں میں جاری تھی اور اس میں کسی قسم کا تغیر نہیں ہوا تھا، لیکن ولید نے اپنے زمانہ میں اس ناہمواری کو بھی مٹا دیا، اور عیسائیوں کو حکم دیا کہ سرکاری کاغذات رومی زبان میں نہ لکھے جائیں[2]

ٹکسال

عبدالملک کے زمانے سے پہلے تمام ممالک اسلامیہ میں رومی سکے جاری تھے، عبدالملک پہلا شخص ہے جس کے زمانے میں ٹکسال قائم کی گئی، اور اس میں سکے ڈھالے گئے[3]

صنعتِ پارچہ بافی کی ترقی

سلیمان بن عبدالملک نہایت خوش پوشاک اور جامہ زیب تھا، وہ خود نہایت باریک، نہایت رنگین اور نہایت منقش کپڑے پہنتا تھا اور اپنے خاندان، اپنے عمال اور اپنے ملازمین تک کو اسی قسم کے کپڑے پہناتا تھا، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے زمانے میں اُن کپڑوں کا شوق عام ہو گیا، اس لئے ان کی صنعت میں غیر معمولی ترقیاں اور ایجادیں ہوئیں، چنانچہ مسعودی لکھتا ہے۔

[1] آداب السلطانیہ ص ۱۱۰ [2] مختصر الدول ص ۱۹۵ [3] تاریخ الخلفاء ص ۲۱۸

وفی ایامه عمل الوشی الجید بالیمن والکوفة والاسکندریة ولبس الناس جمیعا الوشی جبابا واردیة وسراویل وعمائم وقلانس[1]

اور اس کے زمانہ میں یمن، کوفہ اور اسکندریہ میں رنگین اور عمدہ کپڑے بُنے گئے اور لوگوں نے اُن کپڑوں کے جبے، چادریں، پائجامے، عمامے اور ٹوپیاں پہنیں۔

علوم وفنون کی ترویج واشاعت اسلامی علوم وفنون میں کوئی ایسا فن نہیں ہے جس کی ترتیب وتدوین، تہذیب وپرداخت اور ترقی واشاعت میں خلفائے بنوامیہ کی کوششوں کا حصہ شامل نہ ہو۔

قرآن مجید قرآن مجید جو تمام اسلامی علوم وفنون کا سرچشمہ ہے، وہ اگرچہ خلافتِ راشدہ کے زمانے تک مرتب ومدون ہو چکا تھا لیکن اب تک اس میں نقطے اور اعراب نہیں لگائے گئے تھے، عرب کے لئے تو اس کی قرأت میں کوئی دقت نہ تھی لیکن جب عجمی قومیں اسلام لائیں تو اُن کو قرآن مجید کی قرأت میں دشواریاں پیش آئیں، اور عراق میں اس کے متعلق سخت غلطیاں پھیل گئیں حجاج نے فوراً اس کا تدارک کیا اور قرآن مجید میں نقطے لگوائے[2] اس کے بعد بھی غلطیاں ہونے لگیں، تو لوگوں نے اعراب لگالیے۔

تفسیر بنوامیہ ہی کے زمانے میں یہ فن مدون ہوئے، اور انہی کے زمانے میں بڑے بڑے مفسرین پیدا ہوئے، تفسیر کی پہلی کتاب جو سعید بن جبیر نے لکھی وہ عبدالملک کے حکم سے لکھی گئی[3]

---

[1] مروج الذہب مسعودی برحاشیہ نفح الطیب جلد ۲ ص ۲۱۱ [2] ابن الخلکان تذکرہ حجاج

[3] میزان الاعتدال ذہبی تذکرہ عطاء بن دینار۔

حدیث علم حدیث کی تدوین وتالیف کا شرف بھی بنوامیہ کو حاصل ہے چنانچہ اس کی تفصیل حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ کے کارنامہائے زندگی میں گذر چکی ہے۔

اصول لغت اصولِ لغت کی تدوین بھی بنوامیہ کے دورِ حکومت میں ہوئی چنانچہ ابوالاسود دؤلی نے زیاد بن ابیہ سے اصولِ نحو کے مرتب کرنے کی اجازت چاہی، اس نے پہلے تو انکار کیا، لیکن بعد کو اجازت دے دی[1]

تاریخ فنِ تاریخ کی تدوین وترتیب بھی بنوامیہ کے دورِ حکومت میں ہوئی، اور سب سے پہلے انہی کے زمانے میں تاریخی کتابیں تصنیف ہوئیں، ایک طرف تو فنِ سیر ومغازی کے بڑے بڑے علماء مثلاً وہب، ابن منبہ، محمد بن مسلم الزہری موسیٰ بن عقبہ، اور عوانہ جو اس فن کے متعلق کتابوں کی تدوین وتالیف میں مصروف تھے، انہی کے زمانے میں تھے، دوسری طرف خلفائے بنوامیہ کو فنِ تاریخ کے ساتھ خود نہایت شغف تھا، علامہ مسعودی نے مروج الذہب میں لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضہ ہمیشہ عشاء کے بعد پہلے وزراء سے مشورہ کرتے، پھر تاریخی واقعات سنتے، جب رات کا ثلث حصہ گذر جاتا تو سو جاتے اور پھر اُٹھتے اور دوبارہ یہی مشغلہ شروع ہو جاتا، متعدد لڑکے تاریخی کتابیں لے کر آتے اور اُن کو پڑھ پڑھ کر سُناتے[2] جب اس پر بھی قناعت نہ ہوئی تو صنعائے یمن سے ایک عالم کو جس کا نام عبید بن شریہ تھا بلایا، اور اس سے بہت سے تاریخی واقعات سُنے، اور ان واقعات کو ایک کتاب کی صورت میں جمع کرنے کا حکم دیا، جو عبید بن شریہ کی طرف منسوب کی جاتی ہے[3]

---

[1] ابن خلکان جلد اول ص ۲۴۰ [2] مروج الذہب مسعودی برحاشیہ نفح الطیب ج ۲ ص ۲۴

[3] کتاب الفہرست ص ۱۳۲

ہشام کے شوق و ایما سے عربی لٹریچر میں اور بھی متعدد تاریخی تصنیفات کا اضافہ ہوا چنانچہ جبلہ نے اس کے لئے ایران کی بعض تاریخی کتابوں کا ترجمہ فارسی سے عربی میں کیا، ہشام نے ایک اور کتاب تاریخ ملوک الفرس کا ترجمہ کرایا جس میں ایرانی سلطنت کے قوانین اور شاہانِ ایران کے حالات تھے[1]

یونانی علوم و فنون کے تراجم

یونانی علوم و فنون کے تراجم کی ابتدا بھی بنو امیہ ہی کے دورِ حکومت میں ہوئی، چنانچہ ابن آثال نے حضرت امیر معاویہ رض کے لئے یونانی زبان سے طب کی متعدد کتابوں کا ترجمہ عربی زبان میں کیا اور یہ پہلا ترجمہ تھا جو اسلام کے دورِ حکومت میں کیا گیا۔

مروان بن حکم کے زمانے میں ماسرجویہ نے عربی زبان میں ایک طبی کتاب کا ترجمہ کیا تھا، یہی کتاب تھی جس کو حضرت عمر بن عبدالعزیز رض نے شاہی کتب خانہ میں پایا اور ممالکِ محروسہ میں اس کے مختلف نسخے تقسیم کیے[2]

خاندان بنو امیہ میں خالد بن یزید بن معاویہ ایک ایسا شخص پیدا ہوا جس کو حکیم آل مروان کا لقب دیا گیا، وہ پہلے خلافت کے دعویداروں میں تھا، لیکن جب اس کو ناکامی ہوئی تو اس نے علم کیمیا کی طرف توجہ کی، اور مریانس نامی ایک رومی راہب سے اس کی تعلیم حاصل کی، اس کے ساتھ یونان کے جو فلسفی مصر میں رہتے تھے اور عربی زبان کے ماہر تھے، اُن کی ایک جماعت کو بلایا، اور اُن کے ذریعہ سے عربی زبان میں فن کیمیا کی متعدد یونانی اور قبطی ترجمے کرائے، خالد نے طب اور کیمیا میں جیسا کہ ابن خلکان نے لکھا ہے خود بھی متعدد رسالے لکھے[3]

---

[1] کتاب التنبیہ والاشراف ص ۱۰۶ [2] مختصر الدول ص ۱۹۲ اخبار الحکما تذکرہ ماسرجویہ [3] کتاب الفہرست ص ۲۴۲ و ۴۹۳۔ ابن خلکان ج ۱ ص ۱۰۶،

ہشام کے زمانے میں ایرانی تاریخ کے علاوہ بعض یونانی کتابوں کا ترجمہ بھی ہوا چنانچہ سالم نے ارسطو کے اُن رسالوں کا ترجمہ کیا جو اُس نے سکندر کے لئے لکھے تھے[1]

خلفائے بنو امیہ نے اندلس میں بھی اپنے اولیت کے اس شرف کو قائم رکھا چنانچہ انہی کے زمانے سے اہلِ اندلس کو یونانی علوم و فنون کی طرف توجہ ہوئی[2] اور انہی کے زمانے میں وہاں عقلیات کے اکابر علماء پیدا ہوئے۔

اندلس کے اس جدید علمی دور کا آغاز تیسری صدی کے وسط سے ہوا، اور چوتھی صدی کے وسط تک اس نے آہستہ آہستہ ترقی کی[3] لیکن اس کے بعد امیر الحکم المستنصر باللہ بن عبدالرحمن الناصر الدین اللہ نے عقلی علوم و فنون کی طرف غیر معمولی توجہ کی، اور مصر و بغداد سے ان علوم کی کتابیں منگوا کر اس کثرت سے جمع کیں کہ خلفائے عباسیہ کا دورِ حکومت اپنے علمی ساز و سامان کے ساتھ لوگوں کی نگاہ کے سامنے آگیا، چنانچہ علامہ ابن صاعد اندلسی لکھتے ہیں:-

واستجلب من بغداد ومصر وغيرهما من ديار المشرق عيون التواليف الجليلة والمصنفات الغريبة في العلوم القديمة والحديثة وجمع منها في بقية ايام ابيه ثم في مدة ملكه من بعده ما كاد يضاهي

اس نے بغداد، مصر اور اُن کے علاوہ دیار مشرق سے علوم قدیمہ و جدیدہ کی نہایت عمدہ کتابیں منگوائیں اور اُن کو اپنے باپ کی بقیہ زندگی کے زمانے میں پھر اُس کے بعد اپنے دورِ حکومت میں اس طرح جمع کیا جو خلفائے عباسیہ کے اس علمی سرمایہ کی ہمسری کرنے لگا جو

---

[1] ابن خلکان جلد اول ص ۱۱ [2] طبقات الامم ابن صاعد اندلسی ص ۶۲ [3] ایضاً ص ۶۴

ماجمعة ملوك بني العباس في الازمان الطويلة وتهياء له ذلك لفرط محبته للعلم وبعدهمته في اكتساب الفضائل وسمونفسه الى التشبه باهل الحكمة من الملوك فكثر تحرك الناس في زمانه الى قراءة كتب الاوائل وتعلم مذاهبهم [1]

انھوں نے ایک طویل زمانہ میں جمع کیا تھا اور اس کی یہ سرگرمی صرف اس لئے تھی کہ اس کو علم سے محبت تھی، کسب کمالات میں نہایت بلند ہمت تھا، اور ان سلاطین کے مشابہ بننا چاہتا تھا، جو بادشاہ ہونے کے ساتھ حکیم بھی تھے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے اس کے زمانہ میں متقدمین کی کتابوں کے پڑھنے کی طرف نہایت شدت سے توجہ کی اور ان کے مذاہب کی تعلیم کی۔

تدبیر و سیاست خلفائے بنو امیہ کے جبر و استبداد کے متعلق جو واقعات عام طور پر مشہور ہیں ان کو پڑھ کر عام طور پر یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ انھوں نے رعایا کی طرف سے بالکل آنکھیں بند کرلی تھیں، اور اپنے عیش و عشرت کے سامنے رعایا کی بالکل پروا نہیں کرتے تھے، لیکن تاریخ بالکل اس کے خلاف شہادت دیتی ہے، حضرت امیر معاویہ رض کی نسبت مسعودی مروج الذہب میں لکھتا ہے کہ:

”وہ دن اور رات میں پانچ مرتبہ دربار کرتے تھے، ان اوقات میں ایک وقت صرف استغاثہ کے لئے تھا، جس کا طریقہ یہ تھا کہ ان کا غلام مسجد میں ایک کرسی بچھا دیتا تھا، وہ کرسی پر بیٹھ جاتے تھے،

[1] طبقات الامم ص ۶۶

اور فوج داری کے مقدمات کی سماعت فرماتے تھے، ضعیف، بدو، بچے، عورت اور بے کس لوگ اُن کے سامنے آتے تھے اور کہتے کہ ہم پر ظلم کیا گیا ہے، وہ فرماتے کہ اُن کی مدد کرو، وہ لوگ کہتے کہ ہم لوگ ستائے گئے، وہ کہتے کہ اس کے ساتھ تحقیقات کے لئے آدمی بھیجو، وہ لوگ کہتے کہ ہمارے ساتھ بدسلوکی کی گئی ہے، وہ کہتے کہ اس کے معاملہ کی تفتیش کرو، یہاں تک کہ جب کوئی باقی نہ رہ جاتا تو تخت پر بیٹھتے، اور درباری لوگ حسب مراتب حاضر ہوتے جب وہ لوگ اطمینان سے بیٹھ جاتے، تو وہ کہتے کہ جو لوگ ہم تک نہیں پہونچ سکتے، اُن کی ضروریات ہمارے سامنے پیش کرو، اب ایک شخص کھڑا ہو کر کہتا کہ فلاں آدمی شہید ہو گیا، وہ کہتے ہیں کہ اس کے بچوں کا وظیفہ مقرر کرو، دوسرا کہتا کہ فلاں شخص بال بچوں کو چھوڑ کر کہیں نکل گیا، وہ کہتے کہ ان کی نگرانی کرو، اُن کو دو، اُن کی ضروریات کو پورا کرو، اور اُن کی خدمت کرو، پھر کھانا آتا اسی حالت میں اُن کا پیش کار موجود ہوتا اور کاغذ پڑھتا، اور وہ احکام صادر کرتے جاتے یہاں تک کہ تمام اہلِ حاجت کی ضرورت پوری کر دیتے [1]

اس کے بعد مسعودی نے امیر معاویہ رض کی تدبیر و سیاست کے متعلق متعدد

[1] مروج الذہب مسعودی برحاشیہ نفح الطیب جلد دوم ص ۴۲۲، ۴۲۳

واقعات نقل کیے ہیں، اور اُن کے اخیر میں لکھا ہے کہ:

"اُن کے اخلاق، اُن کے احسانات اور اُن کی فیاضیوں نے لوگوں کو اپنا اس قدر گرویدہ بنا لیا کہ لوگوں نے اُن کو اپنے قرابتداروں پر بھی ترجیح دی[۱]"

امیر معاویہ رضؓ کے بعد عبدالملک وغیرہ نے بھی انہی کے اخلاق و عادات اور انہی کے طرزِ حکومت کی تقلید کرنی چاہی، مسعودی کے بیان کے موافق اگرچہ یہ لوگ اُن کے درجہ کو نہ پہنچ سکے[۲] تاہم اس قدر مسلّم ہے کہ:

کان عبد الملك بن مروان شديد اليقظة كثير التعاهد لولاته[۳]	عبدالملک بن مروان سخت بیدار مغز تھا اور اپنے عمّال کی سخت نگرانی کرتا تھا۔

چنانچہ ایک بار اس کو معلوم ہوا کہ اس کے کسی عامل نے کسی کا ہدیہ قبول کیا ہے تو اس کو طلب کر کے باز پُرس کی[۴]

ولید عبدالملک کا بیٹا تھا، اور عبدالملک اپنی اولاد کو ہمیشہ فضل و احسان اور مکارمِ اخلاق کے اختیار کرنے کی ترغیب دیا کرتا تھا، ایک بار اُس نے اپنے بیٹوں کو مخاطب کر کے کہا کہ لڑکو! تمہارا خاندان ایک معزز خاندان ہے، اس کے شرف کو مال و دولت صرف کر کے محفوظ رکھو[۵] اسی تربیت کا نتیجہ تھا جس نے ولید کو اہلِ شام کی نگاہوں میں تمام اموی خلفاء سے زیادہ

[۱] مروج الذہب مسعودی برحاشیہ نفح الطیب جلد دوم ص ۴۴۱

[۲] ایضاً ص ۴۲۵   [۳] کتاب البیان والتبیین جلد ۲ ص ۱۸۶

[۴] مروج الذہب مسعودی برحاشیہ نفح الطیب جلد دوم ص ۵۲۷، [۵] ایضاً ص ۶۰۰

محبوب بنا دیا تھا، چنانچہ آداب السلطانیہ میں لکھا ہے کہ:

كان الوليد من افضل خلفائهم سيرة عند اهل الشام	ولید اخلاقی حیثیت سے اہلِ شام کے نزدیک تمام خلفائے بنو امیہ سے اچھا تھا۔

اور اس محبوبیت کی وجہ بیان کی ہے کہ اُس نے جامع دمشق، جامع مدینہ اور مسجد اقصیٰ کو تعمیر کر دیا، جذامیوں کو وظیفہ دے کر بھیک مانگنے سے محفوظ رکھا، ہر اپاہج کے لئے ایک ایک خادم اور ہر اندھے کے لئے ایک ایک راستہ دکھانے والا مقرر کیا[۱]

سلیمان بن عبدالملک کے فخر و مزیت کے لئے صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحؒ کے نظامِ حکومت کی بنیاد اسی کے زمانہ میں پڑی، لوگوں کے اموال جو غصب کر لئے گئے تھے اس نے واپس کر دیئے، جو لوگ ظلماً گرفتار کر کے قید کر دیئے گئے تھے اُس نے اُن کو رہا کر دیا[۲] نماز کو وقت پر قائم کیا، راگ باجے کی ممانعت کر دی، اور حجاج کے عمّال کو یک قلم موقوف کر دیا، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اُس نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضؓ کو اپنا وزیر مقرر کیا، اور اُن کے تمام نیک مشورے قبول کئے[۳]

دفع مطاعن خلفائے بنو امیہ کے طرزِ حکومت اور آئین جہانبانی پر جو اعتراضات ہیں اُن کے اجمالی جواب کے لئے ہم عبدالملک بن مروان

[۱] آداب السلطانیہ ص ۱۱۴

[۲] مختصر الدول ص ۱۹۶

[۳] تاریخ الخلفاء ص ۲۶

کی یہ معذرت کافی سمجھتے ہیں۔

"کہاں وہ لوگ جن پر حضرت عمر بن الخطابؓ حکومت کرتے تھے اور کہاں اس زمانے کے لوگ؟ میرا خیال ہے کہ بادشاہ کی روش رعایا کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہے، اگر کوئی شخص اس زمانے میں حضرت عمرؓ کی روش اختیار کرے، تو لوگوں کے گھروں میں لُوٹ ڈال دی جائے، ڈاکے پڑنے لگیں، اور باہم جنگ وجدل ہونے لگے، اس لئے والی کا فرض ہے کہ وہ روش اختیار کرے جو اس کے زمانے کے لئے موزوں ہو۔"[1]

اس لئے خود اُن کا کوئی تفصیلی جواب دینا نہیں چاہتے۔

[1] طبقات ابن سعد جلد ۵ تذکرہ عبدالملک بن مروان ص ۱۷۳

خاتمہ

سلطنتِ بنو اُمیّہ کا زوال

دعوتِ عباسیہ کی ابتدا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانے میں ہوئی اور اس کے ۳۰ سال کے بعد اموی حکومت کا خاتمہ ہوگیا، اس لئے قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ اس مبارک عہد کے ۳۰ ہی سال بعد زمانہ نے کیونکر خاندانِ بنو اُمیّہ کا دفتر اُلٹ دیا؟ کیا اس کے اسباب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ہی کے زمانہ میں پیدا ہوئے؟ کیا اُن کا عادلانہ نظامِ سلطنت اس زمانہ کے لئے موزوں نہ تھا؟ کیا قدیم جبر واقتدار کے استیصال نے جو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا ایک شاندار کارنامہ ہے نظامِ حکومت میں ایسا ضعف پیدا کردیا جس سے حریفانہ طاقتوں نے فائدہ اٹھایا؟

اس بناء پر ہم ان کے سوانح زندگی کے خاتمہ میں سلطنتِ بنو اُمیّہ کے اسبابِ زوال پر نہایت تفصیل کے ساتھ بحث کرنا چاہتے ہیں اوپر گذر چکا ہے کہ عرب میں زمانۂ جاہلیت ہی سے اموی اور ہاشمی دو حریفانہ طاقتیں قائم تھیں اور اسلام کے زمانہ تک قائم رہیں، لیکن جب تک اہلِ عرب کی قومی طاقت کا رُخ غیر قوموں کی طرف رہا ان میں باہم کسی قسم کا تصادم نہیں ہوا لیکن امیر معاویہؓ کے زمانے میں یہ دونوں طاقتیں باہم ٹکرائیں، اور یہ پہلا دن تھا جس میں عرب کی خانہ جنگی کی ابتداء ہوئی جس کا آخری نتیجہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی صورت میں ظاہر ہوا۔

اہلِ عجم جو اپنے فطری خاصہ کی بناء پر ابتداء ہی سے اسلام کے خلاف ریشہ دوانیاں کرتے رہتے تھے اب ان کی سازشوں کے لئے ایک وسیع میدان ہاتھ آیا، اور انھوں نے اہلِ بیت کی حمایت کے پردے میں اپنے قدیم بغض وحسد کا انتقام لینا چاہا، لیکن عبدالملک اور ولید کے زمانے تک یہ مخفی طاقت دبی دبی رہی لیکن جب یہ پُرزور شخصیتیں مٹ گئیں تو بنو ہاشم اہلِ عجم

کے سہارے پر اُٹھے، اور عراق، خراسان میں جو عجمی طاقت کے مرکز تھے اپنے نقیب پھیلا دیئے، اور ۱۰۲ھ، ۱۰۵ھ، ۱۰۷ھ، ۱۱۸ھ میں اپنی گم شدہ طاقت کی واپسی کے لئے خاص طور پر کوششیں کیں، جو لوگ اس سازش میں مصروف تھے انھوں نے محمد بن علی کے ہاتھ پر بیعت کی تھی ۱۲۶ھ میں اُن کا انتقال ہوا تو وہ ابراہیم امام کو اپنا جانشین کر گئے ۱۲۷ھ میں ابراہیم امام کو ابو مسلم خراسانی ایک عجیب و غریب شخص ہاتھ آگیا، جس کو اس مقصد کی تکمیل کے لئے قدرتی طور پر وہی ذریعہ مل گیا جس سے تحریک کا آغاز ہوا تھا عجمی طاقت کا ظہور جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے عرب کی خانہ جنگی سے ہوا تھا، اور ابو مسلم کے زمانہ میں اس آگ کے شعلے اور بھی بلند ہو گئے اور عرب کے مضری اور قحطانی قبائل میں باہم سخت رشک و منافست قائم ہو گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نصر بن یسار نے جو قحطانیوں کا مخالف تھا ان کے لئے سرکاری ملازمت کا دروازہ بالکل بند کر دیا خراسان میں قحطانیوں کا سردار جدیع بن علی کرمانی تھا، اس نے نصر کو سمجھایا کہ اس طرز عمل سے سخت شورش ہو گی، اور ان سیاہ پوشوں کو، حامیان بنو ہاشم نے سیاہ لباس اختیار کیا تھا اس لئے ان کو مسودہ کہتے تھے حملہ کا موقع ملے گا، اس پر نصر نے کرمانی کو قید کر دیا، لیکن کرمانی اپنے ایک عجمی غلام کے حسن تدبیر سے قید خانہ سے نکل بھاگا، اور ربیعہ اور قبائل یمن کی باہمی حلف و اعانت سے نصر کا مقابلہ کیا، اور تقریباً پونے دو برس تک باہم جنگ قائم رہی، اس مدت میں فریقین کی قوت میں جس قدر ضعف آتا گیا اسی قدر ابو مسلم کی طاقت میں اضافہ ہوتا گیا یہاں تک کہ خراسان کے اطراف میں جن لوگوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی ان کی تعداد کم از کم دو لاکھ تک پہنچ گئی اب ابو مسلم نے نصر کی طاقت توڑنے کے لئے کرمانی کو ملا لیا، لیکن جب نصر کو اس کی خبر پہنچی، تو اس نے کرمانی کو لکھا کہ ہم دونوں الگ ہو جائیں اور قبیلہ ربیعہ کے کسی شخص کو سردار بنالیں، چونکہ کرمانی نے پہلے ہی مصالحت کے لئے یہ تجویز پیش کی تھی اس لئے وہ اس پر

راضی ہو گیا، اور رات کو مخفی طور پر ابو مسلم کی فوج سے نکل کر نصر کی طرف روانہ ہوا لیکن نصر نے اس کو دھوکہ سے قتل کرا دیا، اب کرمانی کے لڑکے علی نے ابو مسلم کے دامن میں پناہ لی، اور اس کی اعانت سے باپ کے خون کا انتقام لینا چاہا، ابو مسلم نے قحطبہ کو نصر کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا اور نصر نے مجبوراً اطاعت قبول کر لی اور قحطبہ نے اس کو امان دے دی، لیکن وہ ایک رات کو مخفی طور پر اس کی فوج سے نکل بھاگا، اور ساوہ میں پہنچ کر چند روز کے بعد مر گیا، اب نصر اور کرمانی دونوں کی فوجیں ابو مسلم کے حلقہ اطاعت میں داخل ہو گئیں اور ابو مسلم نے تمام خراسان پر قبضہ کر لیا، اس کے بعد جو ممالک رہ گئے وہ نہایت آسانی کے ساتھ مفتوح ہو گئے، مروان بن محمد نے جو خاندان بنو امیہ کا آخری تاجدار تھا بھاگ کر مصر میں پناہ لینی چاہی، لیکن بالآخر مقتول ہوا، اور اسی کے ساتھ اس شاندار سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔

اس تمام تفصیل سے معلوم ہوا ہو گا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور خلافت سے پہلے ہی بنو امیہ کے سلطنت کے زوال کے اسباب پیدا ہو گئے تھے اور وہ آہستہ آہستہ ترقی کرتے گئے، یہاں تک کہ عرب کی خانہ جنگی نے اُن کو کامل طور پر نشو و نما دے دی، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور خلافت کو اُن سے کوئی تعلق نہ تھا۔

تمت

از عارف باللہ مفتی عزیز الرحمٰن صاحب سابق صدر مفتی دار العلوم دیوبند
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ صدر دار العلوم کراچی

دار العلوم دیوبند کی خداداد شہرت اور اُن کے فتاویٰ پر تمام ممالک اسلامیہ اور مسلمانوں کی پنچایتوں اور عدالتوں کا اعتماد محتاج بیان نہیں دورِ حاضر کا یہ فتاویٰ مرکز علوم دار العلوم دیوبند کے منتخب فتاویٰ ہیں جو اکابر علماء کے لکھے اور دیکھے ہوئے ہیں اور جنکو مسلمانوں کے ہر طبقہ میں مستند و معتبر تسلیم کیا گیا ہے پہلے یہ فتاویٰ ۸ حصوں میں غیر مرتب شکل میں شائع ہوتے رہے بابوار مسائل نہونے کیوجہ سے مسئلہ نکالنا بہت مشکل تھا اب خدا کا شکر ہے کہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنی زیر نگرانی اس پورے فتاویٰ کے دونوں سلسلوں کو فقہی ترتیب کے مطابق مرتب کر دیا ہے اور اس زمانہ کی ضرورت کے لحاظ سے بیشمار جدید اضافے کر دیئے ہیں۔ ابتدا میں ایک مبسوط مقدمہ کا اضافہ کیا گیا ہے جس میں دار العلوم دیوبند اور اس کے فتاویٰ کی مختصر تاریخ درج کی گئی ہے اور صاحب فتاویٰ کے حالات زندگی درج کئے گئے ہیں۔ کتابت و طباعت دیدہ زیب سفید کاغذ سائز ۲۳×۳۶ ½

مضبوط جلد حسین پلاسٹک کور